

چھوٹے سلطان

محمد شعیب

پاک سوامائٹی ڈاٹ کام

چھوٹے سلطان

محمد شعیب

ابھی ایک ہفتہ باقی ہے جانے میں کچھ سیکھ لے گی۔۔۔

”لیکن۔۔۔“ یعقوب علی نے پہلی بار

نظریں اٹھانے کی کوشش کی تو بڑے سلطان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کروا دیا۔

”مجھے کوئی بات نہیں سنی۔۔۔ میں نے کہہ

دیا تو کہہ دیا۔۔۔ کل سے تیری بیٹی اس حویلی میں

موجود ہونی چاہئے۔۔۔ ورنہ۔۔۔“ ایک جھٹکے سے

پلٹے اور بات کو ادھوری چھوڑ کر زینے کی طرف چل دیئے اور یعقوب علی بس انہیں جاتا دیکھتا رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

”لیکن بانو کے ابا۔۔۔ بانو تو ابھی چھوٹی

ہے۔۔۔ اور پھر شہر میں بھیجنا۔۔۔ اور وہ بھی۔۔۔“

یعقوب علی نے گھر آتے ہی ساری باتیں بانو کی

اماں کو بتا دیں۔ جسے سن کر ایک لمحے کے لئے وہ

ٹھٹک کر رہ گئی۔ بانو اس وقت گھر میں موجود نہ

تھی۔ وہ کسی کام سے ہمسائے کے گھر تھی۔ ایسے

میں وہ دونوں باآسانی بات کر سکتے تھے۔

”بڑے سلطان نے میری ایک نہیں

سنی۔۔۔ بس اپنی بات پر قائم ہیں۔۔۔“ یعقوب

علی کے لہجے میں اب فکر مندی تھی۔ وہ دونوں

چولہے کے پاس بیٹھے بات کر رہے تھے۔

”لیکن بانو کے ابا۔۔۔ ایسے کیسے بڑے

”لیکن بڑے سلطان۔۔۔!!“ اس

نے عاجزانہ اپنی گردن کو قدرے جھکا لیا۔ آنکھوں

میں منت سماجت تھی مگر اس کی منتیں بھلا بڑے

سلطان کی آنکھوں میں کیسے داخل ہو سکتی تھیں؟

اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے انہوں نے اپنی

چادر کو ایک جھٹکے سے کندھے پر دھکیلا اور اس کی

ذات کو فراموش کرتے ہوئے آگے کو بڑھ دیئے

جبکہ یعقوب علی ابھی تک اپنے گٹھنوں کے بل بیٹھا

اپنی گردن کو خم دیئے ہوئے دونوں ہاتھوں کو

جوڑے ہوئے تھا۔

”دیکھ یعقوب علی۔۔۔ تیری لڑکی سترہ

سال کی ہو گئی ہے۔ گھر کے کام کاج بھی سیکھ چکی

ہے اور سب سے بڑی بات اس کی پہلے سے ہی

تیرے بھتیجے کے ساتھ نسبت طے ہو چکی

ہے۔“ بڑے سلطان حویلی کے دیوہیکل

دروازے پر نظریں جمائے بارعب لہجے میں کہہ

رہے تھے۔

”نہیں بڑے سلطان۔۔۔ ایسی بات نہیں

ہے۔ میری بیٹی ویسی نہیں ہے۔“ جھٹ دے

لہجے میں بڑے سلطان کے خطرے کی تردید کی اور

اٹھ کر بڑے سلطان کے سامنے آکھڑا ہوا۔

”میں جانتا ہوں۔۔۔ تیری بیٹی ایسی نہیں

ہے تبھی تیری بیٹی کا انتخاب کیا ہے۔ مجھے تجھ پر پورا

یقین ہے۔ اب جا اپنی بیٹی کو کل سے بھیج دے۔



سلطان کے کہنے پر ہم اپنی بیٹی کو کسی کے بھی ساتھ بھیج سکتے ہیں؟ مانا کے وہ اس گاؤں کے سلطان ہیں۔ بڑے بڑے فیصلے کرتے ہیں لیکن کسی کی بہو بیٹی کے بارے میں تو فیصلہ کرنے کا ان کا کوئی حق نہیں ہے اور بانو اب ہماری ہی تو بیٹی نہیں ہے۔ تمہارے بھائی کی ہونے والی بہو ہے۔ اگر انہوں نے اعتراض کیا تو۔۔۔؟“ بانو کی اماں کی اس بات پر یعقوب علی بھی سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے ابھی تک اپنے بھائی سے بات کر کے اس کی رضامندی حاصل نہیں کی تھی۔

”میں تو کہتی ہوں کہ اپنے بھائی سے بات کر۔ آخر بانو ان کی ہونے والی بہو ہے۔ جوان کا فیصلہ ہو، وہی بات بڑے سلطان سے کر دیں۔“ بانو کی اماں نے جیسے سب کچھ بانو کے ہونے والے سسرال پر چھوڑ دیا۔ یعقوب نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا اور پہلی فرصت میں ہی اپنے بھائی سے بات کی۔

☆.....☆.....☆

آج بانو نے پہلی بار حویلی میں قدم رکھا تھا۔ اپنے کپڑوں کی گٹھڑی ہاتھوں میں لئے اس نے چوکھٹ پار کی تو حویلی کی تابناکی اور شان و شوکت دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ پوری حویلی سفید ماربلز سے بنی آنکھوں کو اپنے سحر میں جکڑے ہوئے تھی۔ اس نے حیرت کے ساتھ چھت کی طرف دیکھا تو ایک بڑا سا جھومر تھا۔ جو خاموش ہوا میں بھی ایک سازالانپ رہا تھا۔ وہ ایک وقت تک اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس نے پوری زندگی اتنا بڑا جھومر نہیں دیکھا تھا۔ تبھی ایک گرج دار آواز اس کی سماعت میں گونجی۔

”اے لڑکی! کون ہے تو؟“ آواز کا رعب اس قدر تھا کہ اس کے ہاتھوں کی گٹھڑی خود بخود

نیچے گر گئی۔ کپکپاتی ٹانگوں سے پلٹی تو ایک دراز قدر نو جوان کو اپنے مد مقابل پایا۔ اس وجود کی آنکھیں اسی کو گھور رہی تھیں مگر بانو اس کے سینے سے اوپر نہ دیکھ سکی مگر اس کی شرٹ سے نکلنے والے پاڈی اسپرے کی خوشبو کو سونگھ سکتی تھی۔

”سنا نہیں تونے۔۔۔ کون ہے تو؟“ ایک بار پھر وہی آواز گر گئی۔ اس کے وجود میں مزید لرزش آ گئی۔ اس نے پوچھنا چاہا مگر آواز میں کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔ بھی پیچھے سے بڑے سلطان زینے سے اترتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے۔

”یہ تمہاری کنیر ہے۔۔۔“ کنیر کا نام سننے ہی جیسے بانو کے جسم سے روح نکل گئی۔ ایسا لگا اس نے یہاں آ کر زندگی کی سب سے بڑی بھول کی ہو۔ لفظ کنیر جیسے اس پر عذاب کی طرح نازل ہو تھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے پلٹ کر پیچھے کی طرف دیکھا تو بڑے سلطان کو سامنے پایا۔ وہ انہیں اچھی طرح پہچانتی تھی۔ گاؤں میں اکثر پنچایت میں انہی کے فیصلے کو مقدم رکھا جاتا تھا۔ ایک دو بار اس نے اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھاڑیوں کے پیچھے سے ان کو دیکھا تھا۔

”کنیر۔۔۔“ وہ بڑبڑائی اور استفہام آنکھوں سے بڑے سلطان کی طرف دیکھا۔

”ہاں کنیر۔۔۔ چل اب جا کر کام کا سیکھ لے اپنے۔۔۔“ بے اعتنائی برتتے ہوئے انہوں نے بانو سے کہا اور اپنے شانے پر موجود چادر کو ذرا سیدھا کیا۔

”لیکن بابا سلطان مجھے کسی کنیر کی ضرورت نہیں۔۔۔“ وہ نو جوان بانو کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھا تو بڑے سلطان بھی ہال کے درمیان میں آکھڑے ہوئے جبکہ بانو ابھی تک

لوقوف کے بعد بیگم رخسار آگے بڑھیں اور پیار سے اس کے گال کو چھوتے ہوئے مزید کہا۔

”دیکھو عظمت سلطان۔۔۔ تم عظمت سلطان کے بیٹے ہو۔ تمہیں اپنا مرتبہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے۔ یہ لوگ ہماری خدمت کے لئے ہی موجود ہیں۔ آئی بات سمجھ میں۔۔۔“ بیگم رخسار کی بات جہاں عظمت سلطان کو ناگوار گزری وہیں بانو کے وجود کو کرچی کرچی کر گئی۔ کہاں حویلی کی شان و شوکت دیکھنے اس چوکھٹ پر آئی تھی اور کہاں اس حویلی کے ایک بیٹے کی کنیر بن کر رہ گئی۔ آنکھوں میں معصوم سے سنے دم توڑنے لگے۔

”کاش چاچا منع کر دیتے۔۔۔“ اس نے دل میں سوچا مگر اب وقت گزر چکا تھا۔ یعقوب اس کو چھوڑ کر جا چکا تھا۔ یعقوب کے بھائی نے بھی اجازت دے دی تھی۔ چونکہ دونوں ایک غریب طبقے سے تعلق رکھتے تھے اسی لیے سلطان کے خاندان کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھے اور ان کی کسی بات کو منع کرنے کا مطلب ان کی ناراضگی مول لینا تھی جو کہ کسی بھی طرح ایک غریب آدمی کے لئے نیک شگون نہیں تھا۔ بس اسی لئے بانو کو حویلی میں بھیج دیا گیا مگر اس کو پورا سچ نہیں بتایا گیا۔

”دیکھ بانو۔۔۔!! بڑے سلطان کو اپنے گھر میں کام کاج کے لئے ایک لڑکی کی ضرورت ہے اور انہوں نے مجھے کہا ہے کہ تجھے کام کے لئے بھیجوں۔۔۔ دیکھ بانو۔۔۔ یہ صرف ایک سال کی بات ہے، تو ویسے بھی تو گھر میں ادھر ادھر گھومتی رہتی ہے۔ وہاں جا کر کچھ کام کاج کر لے ایسے آمدنی میں بھی اضافہ ہو جائے گا اور تیرے جہیز کے لئے رقم بھی اکٹھی ہو جائے گی۔ سلیم سے میں نے بات کر لی ہے۔ اسے کوئی اعتراض نہیں۔ وہ

چوکھٹ کے پاس کھڑی کنیر کا لفظ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں سوچا کہ کبھی وہ کسی کی کنیر بن کر زندگی گزارے گی۔ آنکھوں میں آنسوؤں کے ایک حلقے نے جنم لیا تو سب کچھ دھندلا سا دیکھائی دینے لگا۔ بڑے سلطان اور وہ نوجوان جس کی کنیر بن کر اسے اس گھر میں بھیجا گیا تھا آپس میں محو گفتگو تھے مگر ان کی آواز اس کی سماعت تک پہنچنے سے قاصر تھی۔

”میں نے پوچھا نہیں۔۔۔ بتایا ہے تمہیں۔۔۔ تمہارے ساتھ یہ لڑکی تمہاری کنیر بن کر شہر جائے گی۔ آئی بات سمجھ میں۔۔۔“ وہ پوری شان کے ساتھ صوفے پر براجمان ہوئے اور سامنے رکھے ایک اردو اخبار کو اٹھا کر ٹٹولا۔ سامنے ایک بڑے سے بکس میں ذراعت کے بارے میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

”لیکن بابا سلطان۔۔۔ شہر میں چاچا موجود تو ہونگے نا۔۔۔!! پھر بھلا اس کنیر کا کیا جواز بنتا ہے؟“ وہ مسلسل بات کرتے ہوئے بانو کو کنیر کہہ کر مخاطب کر رہے تھے جو اس پر بجلی بن کر قہر ڈھا رہا تھا۔ تبھی کچن سے بیگم رخسار تشریف لائیں۔

”تمہارے بابا سلطان ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تمہیں کنیر کی ضرورت ہے۔ بھلا تمہارے چاچا کب تک تمہاری ضرورتوں کا خیال رکھیں گے؟ تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھنے کے لئے کسی ناکسی کی ضرورت ہے نا۔۔۔؟“ انہوں نے شاید ان کی باتیں سن لی تھیں بھی انہوں نے بھی ایک بار پھر اسی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

”لیکن امی۔۔۔“ اس کی پیشانی پر کچھ شکن نمودار ہوئے۔

”لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔“ ایک لمحے

بھی یہی چاہتا ہے کہ تو وہاں کام کر لے۔۔۔“ یعقوب علی اور سلیم کی رضامندی جاننے کے بعد بانو نے ہاں تو کر لی مگر اب اسے اپنے ہی فیصلے پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کا انبار جمع ہو گیا۔ وہ بت بنی چوکھٹ پر کھڑی حالات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو واپسی کے سارے دروازوں کو بند پایا۔ وہ واپس نہیں جاسکتی تھی۔ اگر جاتی تو اپنے ابا کا سر شرمندگی سے جھکا ہوا پاتی۔ بڑے سلطان کی کسی بات کو رد کرنا جیسے پورے گاؤں کی بات کو رد کرنے کے مترادف تھا۔ چارو ناچار اس نے ایک سال کے لئے اپنے آپ کو اس لفظ میں ڈھال لیا جو اس حویلی کے باسیوں نے اس کے لئے منتخب کیا تھا۔

”کنیر بانو۔۔۔“

☆.....☆.....☆

جب انسان ایک بار کسی ماحول میں ڈھلنے کی ٹھان لے تو اسے زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ حالات چاہے کیسے بھی ہوں وہ ان کو پچھاڑتے ہوئے آگے ہی بڑھتا رہتا ہے۔ کنیر بانو نے بھی یہی کیا۔ وہ سب کچھ بھول کر صرف ایک سال کے گزرنے کا انتظار کرنے لگی۔ حویلی کے کام کاج کو سیکھنے میں اسے صرف دو دن لگے۔ بڑے سلطان اور بیگم رخسار اس کی پھرتی کو دیکھ کر کافی خوش تھے۔ آج سے اسے عظمت سلطان کے کام سونپے جانے تھے۔ عظمت اپنے تین بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ باقی دونوں کی شادی ہو چکی تھی۔ بڑے سلطان اور بیگم رخسار کے کندھوں پر اب بس عظمت کی ہی ذمہ داری تھی۔ عظمت چوبیس برس کا ہو چکا تھا مگر ابھی تک وہ اپنی شادی کو ٹالتا رہا۔ وہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتا تھا اور بعد میں شادی وادی۔ اب اسے

اپنی تعلیم کا آخری سال مکمل کرنے دوسرے شہر جانا تھا۔ اگرچہ وہ پہلے بھی دوسرے شہر جاتا تھا، لیکن پہلے کبھی اتنے عرصے کے لئے نہیں گیا۔ دو چار ماہ کے لئے گیا اور پھر لوٹ آیا لیکن اب اسے پورا ایک سال شہر سے باہر گزارنا تھا۔ اسی لئے بڑے سلطان نے اس کے لئے ایک کنیر کا بندوبست کیا تاکہ وہ اس کے کام کاج کو اچھے سے سنبھالے۔

”چھوٹے سلطان بڑے ہی جلال ہیں۔۔۔ آج تک کسی نوکر کے کام سے خوش نہیں ہوئے وہ۔۔۔۔۔ نوکروں کے کام کان میں کیڑے نکالنا تو جیسے ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔۔۔ جو کام پسند نہ آئے، نوکروں کے منہ پر دے ماڑتے ہیں۔ پچھلی بار بڑے سلطان نے مجھ چھوٹے سلطان کے لئے دلیہ بنانے کو کہا تو غلط سے نمک تیز ہو گیا۔ انہوں نے وہی گرم گرم دلیہ مجھ پر اچھال دیا۔ وہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ میں پیچھے ہٹ گئی اور صرف پاؤں پر کچھ چھینے پڑے ورنہ اس دن میں تو پوری کی پوری جل جاتی۔۔۔“ کچن میں کام کرتے ہوئے اس کی ساتھی نوکرانی اس کو عظمت سلطان کے بارے میں بتا رہی تھی۔ جسے سن کر اس کے دل میں عظمت سلطان کے لئے نفرت جنم لیتی رہی۔

”انسان کو اتنا بھی کٹھور نہیں ہونا چاہئے۔ ہم نوکر ہیں تو کیا؟ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ بڑے لوگ جو دل میں آئے۔۔۔ کریں۔۔۔!! ہم لوگ بھی انسان ہیں، تکلیف ہمیں بھی ہونی ہے۔“ اس نے جبرے بھینچتے ہوئے کہا تو اس کے ساتھ کھڑی لڑکی ہنس دی

”اب تم کیوں ہنس رہی ہو؟“ کنیر بانو نے جواز مانگا۔

”وہ اس لئے کہ ایسا تم نے سوچ بھی کیسے

لایا؟ یہ مت بھولو۔۔۔ یہ بڑے سلطان کی حویلی ہے۔ یہاں صرف انسان بڑے سلطان اور ان کے خاندان کے لوگ ہیں۔ ہم نہیں۔۔۔ خیر تم نئی ہو۔۔۔ جلد ہی سمجھ جاؤ گی۔۔۔ وہ اس کی بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالتے ہوئے دودھ کا گلاس لئے باہر چل دی۔

”سمجھتی ہے میری جوتی۔۔۔“ اس نے گردن جھٹکتے ہوئے اپنی چٹیا کو پیچھے دھکیلا اور باقی کام نمٹانے کچن سے باہر چل دی۔ کپڑوں کو دھونے کے بعد اسے اطلاع دی گئی کہ بیگم رخسار اس کو مہمان خانے میں بلا رہی ہیں۔ وہ فی الفور وہاں چل دی۔

”دیکھ کنیر بانو۔۔۔ آج سے گھر کے باقی کام کاج چھوڑ اور صرف عظمت سلطان کے کاموں کو تو سنبھالے گی۔“ وہ مہمان خانے کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔

”دو دن گزر چکے ہیں۔۔۔ اور اب صرف پانچ دن بچا ہے۔ ان پانچ دنوں میں تم جتنا عظمت سلطان کو سمجھ لو۔ اتنا تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ اسے کیا پسند ہے کیا نہیں۔۔۔ کیا کھانا اسے پسند ہے؟ کون سی چائے کس وقت پیتا ہے؟ کون سا سوٹ کس وقت پہنتا ہے اور کس طرح کی صفائی پسند کرتا ہے؟ یہ سب کچھ۔۔۔!! آئی بات سمجھ میں۔۔۔“ انہوں نے ایک تیکھی نگاہ کنیر بانو کے وجود پر ڈالی تو اس نے دبے لہجے میں ہوں کہا۔

”اچھی بات ہے۔۔۔ سمجھ لینا۔۔۔ کیونکہ اگر شہر میں عظمت کو کوئی بھی تکلیف ہوئی تو اس کی ذمہ دار تم ہونگی۔۔۔ سمجھی تم۔۔۔“ بارعب لہجے میں کہتے ہوئے وہ وہاں سے چل دی۔

☆.....☆.....☆

”ہاں یار۔۔۔ بس چار دن اور۔۔۔ اس کے بعد فری ماحول۔۔۔ ٹورول۔۔۔ ٹو ایڈوائس۔۔۔ جسٹ چل۔۔۔“ وہ فون پر بات کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وائیٹ ٹراؤزر پر ہاف بازوئی شرٹ پہنے اس نے دروازے کا مقفل کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اسے پہلے ہی کھلا ہوا پایا۔ ایک لمحے کے لئے اس نے چپ سا دھلی اور پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا۔

”اچھا میں تمہیں بعد میں فون کرتا ہوں۔۔۔“ یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثر واضح تھے۔ وہ غصے میں آگے بڑھا تو کسی لڑکی کو اپنے بیڈ کی چادر کو ٹھیک کرتے ہوئے پایا۔ اس کی پشت عظمت کی طرف تھی۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے کمرے میں میری اجازت کے بغیر داخل ہونے کی؟“ اس نے آتے ہی اس پر برسنا شروع کر دیا لیکن اسے تو جیسے فرق ہی نہ پڑا۔ وہ پہلے کی طرح جھکی چادر کو ٹھیک سے بچھا رہی تھی۔

”یو فلش۔۔۔ سنتا نہیں ہے تمہیں۔۔۔“ پہلے سے زیادہ اونچی آواز میں گر جا لیکن اس بار بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ عظمت سلطان کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا۔ اس کی بات کو کوئی ان سنا کرے، اور وہ خاموشی سے کھڑا رہے ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟ ایک جھٹکے سے اس کے بازو کو پکڑ کر اپنی طرف دھکیلا تو وہ جھٹکے سے پلٹی مگر اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہ تھی۔ اس لئے بری طرح لڑکھرائی اگر عظمت سلطان نے اس کا بازو نہ پکڑا ہوتا تو پیچھے ڈرینگ سے جا ٹکراتی۔ جھٹکے سے پلٹنے پر اس کے کانوں میں لگی ہینڈ فری بھی زمین پر جاگری اور فون جو اس کے ہاتھ میں تھا وہ بھی نیچے گر گیا۔ عظمت کو وہاں دیکھ کر جیسے اس کی سانسیں

ساکت ہوئیں۔ اس نے جھٹ اپنے وجود کو سنبھالا اور دوپٹا جو سینے سے لڑھک رہا تھا۔ فوراً سر پر اوڑھا۔

”آئے ہوئے تمہیں دو دن نہیں ہوئے اور چوریاں کرنا بھی شروع کر دی۔۔۔“ اس نے کنیر کے ہاتھوں میں موبائل اور ہینڈ فری کو دیکھا تو بری طرح مشتعل ہوا تھا۔ یہ اس کی فیورٹ ہینڈ فری تھی جو کسی کو بھی استعمال کرنا تو درکنار چھونے کی بھی اجازت نہ تھی اور اس نے آتے ہی اس سے پوچھے بغیر اس کو نہ صرف چھوا بلکہ استعمال بھی کیا تھا۔

”نن نہیں۔۔۔ چوری۔۔۔“ اس کی آواز میں ہکلاہٹ تھی اور اپنا سر مسلسل نفی میں ہلا رہی تھی۔ آنکھیں اب بھی اس کے سینے پر مرکوز تھیں۔ شاید وہ اس کی آواز کی گرج سے اتنی سہم چکی تھی کہ آنکھوں کی حدت برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔

”اب نظریں کیوں جھکائی ہوئی ہیں۔۔۔ میری طرف دیکھ کر بات کرو۔۔۔“ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا تو اس نے دھیرے دھیرے اپنی پلکیں اٹھائیں۔ پہلے نظریں اس کی تھوڑی کے جام سے سیراب ہوئیں پھر اس کے لبوں سے، جو غصے میں بھینچے ہوئے تھے۔ اس کی تلملاتی نظریں اب اس کے چہرے کو تک رہی تھیں تو ایک لمحے کے لئے کنیر بانو سب کچھ بھول گئی۔ آواز کی گرج، رویے کی بے اعتنائی سب کچھ ہوا ہو گیا۔ حسین و جمیل چہرے کے آگے وہ اپنا سر نفی میں ہلانا بھی بھول گئی۔ جبکہ وہ اب بھی اسے بازوؤں سے نوچے ہوئے تھا۔

”سنائی نہیں دیتا تمہیں؟“ وہ ایک بار پھر غرایا مگر اس بار اس کے وجود میں لرزش طاری نہ

ہوئی۔ ایک سکوت تھا جو اس کے جسم میں ٹھہر گیا تھا۔ وہ مسلسل اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ جانے کون سی مقناطیسی قوت تھی جو اس کی آنکھیں اس کے چہرے سے ہٹنے ہی نہیں دے رہی تھی۔ پہلے جو کچھ اس نے عظمت کے بارے میں سنا تھا، سب کچھ بھول چکی تھی۔ اتنے حسین چہرے کو دیکھ کر اس کا دل ایک لمحے کے لئے بے قابو سا ہو چکا تھا۔ نظروں سے نظریں مل رہی تھیں، جو اپنا ایک تاثر بکھیر رہی تھیں۔ فقط عظمت سلطان ہی اپنا حسن نہیں بکھیر رہا تھا۔ اس کمرے میں کوئی اور بھی حسین تھا۔ جس کے حسن کا گردیدہ اس کا جلال ہو چکا تھا۔ آنکھوں سے آنکھیں کیا ٹکرائیں، عظمت سلطان خود پگھلنا شروع ہو گیا۔ چھوٹی چھوٹی شرابی آنکھیں، اپنا جادو بکھیر رہی تھیں۔ پیشانی پر آئی ایک سیاہ لٹ سرخ و سفید رنگت کی نظریں اتار رہی تھی۔ یہ دیکھ کر پیشانی پر چھائے شکن خود بخود غائب ہوتے دیکھائی دیئے مگر اتنی جلدی کہاں مرنی ہے؟

”کون ہو تم اور یہاں میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟“ اس بار لہجے میں سختی پہلے جیسی نہیں تھی۔ انداز وہی تھا مگر کچھ بدلا ضرور تھا۔

”آپ کی کنیر ہوں اور آپ کے کمرے کی صفائی کرنے آئی تھی۔“ اس کے لہجے کا اثر تھا یا چہرے پر چھائے حسن کا۔ عظمت سلطان کے ہاتھوں کی گرفت کمزور ہو گئی۔ ایک جھٹکے سے اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کروایا اور دروازے کی طرف چل دی۔

”آئندہ میری اجازت کے بغیر میرے کمرے کی چیزوں کو چھونے کی غلطی مت کرنا۔۔۔“ اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ چہرہ دونوں کا مخالف سمت تھا۔ ایک دوسرے کی طرف

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ایڈفرس لنکس
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
ناولز اور عمران سیریز کی مکمل رینج
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

<http://twitter.com/paksociety1>

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

**Dont miss a singal one of
your Favourite Paksociety's
Update !**

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Liked Message

☒ Get Notifications
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

☒ See First
See new posts at the top of News Feed

Default
See posts as usual

Unfollow

www.paksociety.com

عرصے بعد مہندی کا رنگ چڑھنا تھا۔ لہو سے سرخ ہو چکے تھے۔

”ابا۔۔۔!! مجھے یہاں نہیں رہنا۔۔۔
خدارا مجھے یہاں سے لے جاؤ۔“ وہ روتے
ہوئے زمین بوس ہو گئی اور اندھیرے میں ہی اس
کی سسکیوں نے دم توڑ دیا۔

☆.....☆.....☆

جانے کی تیاری ہو چکی تھی۔ عظمت سب
سے دعائیں وصول کرتا دیکھائی دے رہا تھا۔ تبھی
بیگم رخسار کا خیال کنیر بانو کی طرف گیا۔ وہ کہیں
دیکھائی نہیں دے رہی تھی۔

”یہ کنیر بانو نظر نہیں آرہی۔۔۔“ بیگم
رخسار نے تشویش والے لہجے میں کہا تو بڑے
سلطان نے بھی ادھر ادھر دیکھا۔ عظمت سلطان
نے لا پرواہی سے گردن جھٹک دی اور اپنا سامان
اٹھا کر باہر کو چل دیا۔

”کہاں جا رہے ہو؟ اس لڑکی کو تو لیتے
جاؤ۔۔۔“ بڑے سلطان کہنے پر وہ پلٹا۔

”بابا سلطان وہ کہیں نظر تو آ نہیں رہی۔
اب اگر اس کنیر کی وجہ سے میں لیٹ ہو گیا
تو۔۔۔“ اس نے بے اعتنائی برتتے ہوئے کہا۔

”تو تمہاری کوئی فلائیٹ چھوٹی نہیں جا
رہی۔۔۔ تم نے اپنی کار میں جانا ہے شہر۔۔۔ سمجھے
تم۔۔۔ اور سکھاں جا کر دیکھو ذرا کہاں ہے یہ
کنیر بانو؟“ بڑے سلطان نے کہنے پر سکھاں
نے پانچ منٹ میں پوری حویلی چھان ماری مگر کنیر
کا کوئی پتہ نہ چلا۔ آخر کار وہ گردن جھکائے بڑے
سلطان کے سامنے آ حاضر ہوئی۔

”معافی چاہتی ہوں بڑے سلطان۔۔۔
لیکن کنیر بانو حویلی میں نہیں ہے۔۔۔“ دونوں
ہاتھوں کو مودبانہ باندھے اس نے دبے لہجے میں

سلطان کے چھونے پر اس کے جسم سے جیسے جان
ہی نکل گئی۔

”چھوڑیے۔۔۔ چھوٹے سلطان۔۔۔!!“
اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اپنی کلائی
مسل اس کی قید سے آزاد کرانے کی کوشش کر
رہی تھی۔ لیکن اس کی آواز عظمت سلطان کی
سماعت تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہ دو قدم آگے بڑھا
اور اپنے دوسرے بازو سے گیلے ہونٹوں کو خشک کیا
تو کنیر بانو کی روح جیسے کانٹے دار جھاڑیوں میں
الجھنے لگی۔ آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ کرنے لگے۔
نہ وہ چیخ سکتی تھی اور نہ ہی مدد کے لئے کسی کو بلا سکتی
تھی۔ اس وقت حویلی میں کوئی نہیں تھا۔ حویلی کے
تمام افراد کسی شادی میں شرکت کرنے گئے ہوئے
تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں ہی عظمت سلطان
نے موقع کا فائدہ اٹھایا اور اپنے عیاش دوستوں کو
محفل پر مدعو کیا۔ وہ اس کے آگے منت سماجت کر
رہی تھی۔

”خدارا! چھوڑ دیں مجھے چھوٹے
سلطان۔۔۔!!“ وہ بچوں کی طرح بلکتے ہوئے
فریاد کر رہی تھی۔

”کنیر ہو۔۔۔ تو کنیر بن کر رہو۔۔۔ سمجھی
تم۔۔۔“ یہ کہہ کر اس نے کنیر بانو کو بری طرح
زمین پر پٹخ دیا۔ گلاس کی کرچیاں اس کی ہتھیلیوں
میں دھنسنے لگی۔ اگلے ہی لمحے ہاتھ سرخ
ہو گئے۔ آنکھوں کی نمی اس لہو میں کہی کھو کر رہ گئی۔

”یہ کرچیاں تمہارا کیا باپ آ کر اٹھائے
گا۔۔۔!!“ اس نے خماری میں کہا تو کنیر نے
روتے ہوئے کرچیاں سمیٹیں اور جلدی سے اپنے
کمرے نما اسٹور میں چلی گئی اور دروازہ مقفل کر
دیا۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ چکی تھیں۔ ہاتھ
لہو سے سرخ ہو چکے تھے۔ جن ہاتھوں پر کچھ

کہا تو بڑے سلطان کی پیشانی پر شکن نمودار ہو گئے۔

”یہ لڑکی کہاں جاسکتی ہے؟“ بارعب لہجے میں کہا اور پورے وقار کے ساتھ چلتے ہوئے صوفے پر براجمان ہو گئے۔ آنکھوں میں غصے کے سبب سرخ دھاریں واضح ہو گئیں۔ واسنے ہاتھ کی انگلیوں کو پٹختے ہوئے انہوں نے یعقوب کو حویلی بلانے کا ابھی حکم ہی دیا تھا کہ چوکھٹ سے کسی کی آواز سب کی سماعت میں گونجی۔

”اس کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔ میں یہاں ہوں۔“ یہ کنیر بانو تھی۔ اسے دیکھ کر بیگم رخسار کی جان میں جان آئی تو بڑے سلطان مشتعل انداز میں اس کی طرف بڑھے اور جبرے بھینچتے ہوئے ایک طمانچہ اس کے بائیں رخسار پر رسید کیا۔

”یہ تھپڑ ہمیشہ یاد رکھنا۔۔۔ آئی بات سمجھ میں۔۔۔“ آنکھوں میں ایک بار پھر نمی ابھر آئی لیکن اس نمی کو پونچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ خود کو سنبھالتے ہوئے وہ اٹھی اور نظریں جھکاتے ہوئے ایک بجلی لی۔

”چل اب جا عظمت سلطان کے ساتھ۔۔۔“ ایک بار پھر بارعب آواز کانوں میں گونجی۔ عظمت سلطان جو پہلے اپنا بیگ خود اٹھائے ہوئے تھا۔ نیچے پھینک دیا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی اب یہ اسے اٹھانا ہے۔ ہاتھوں کی پشت سے دونوں آنکھوں میں تیرنی نمی پونچھی اور عظمت سلطان کی نقش قدم پر چل دی۔ دہلیز سے گیراج تک چالیس قدم کا فاصلہ تھا مگر یہ چالیس قدم اسے چالیس سال کی مسافت محسوس ہوئے۔

”ابا میں نے نہیں جانا چھوٹے سلطان کے ساتھ شہر۔۔۔ خدا کے لئے ابا۔۔۔ مجھے مت

☆.....☆.....☆

کرا آئی تھی۔۔۔ اس نے دبے لہجے میں کہا تھا۔
 ”کنیز کنیز ہوتی ہے۔۔۔ اس کا کام فقط
 کام کرنا ہے۔۔۔ یہ بات دماغ میں بٹھا لو۔۔۔“ کچا
 چبا جانے والی نظروں سے انہوں نے ایک ٹائیے
 کے لئے کنیز بانو کی طرف دیکھا اور پھر پورے
 ٹھاٹ کے ساتھ اپنے شانوں کو ساڑھی کے پلو
 سے ڈھانپتے ہوئے پلٹ گئیں۔ ایک لمحے کے
 لئے وہ یونہی انہیں جاتا دیکھتی رہی پھر قسمت کا لکھا
 سمجھ کر کچن میں چل دی۔

شہر پہنچنے کے بعد ایک بار پھر اس کے ساتھ
 حویلی جیسا برتاؤ برتا گیا۔ عظمت کے کمرے کے
 بالکل سامنے والا ایک اسٹور نما کمر ایک سال تک
 اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا مگر اس اسٹور میں پہلے
 سے زیادہ جگہ تھی۔ کم سے کم وہ آرام سے چہل
 قدمی تو کر ہی سکتی تھی۔ ایک عدد کھڑکی بھی جو پھلی
 طرف کھلتی تھی۔ چھت کے عین درمیان میں ایک
 پرانے زمانے کا پنکھا لٹکا ہوا جسے چلاؤ تو گرنے کا
 ہی ڈر رہتا ہے۔

”بڑے لوگ بھی کتنے کم ظرف ہوا کرتے
 ہیں۔۔۔“ ایک بار پھر اس کا دل بڑے لوگوں
 سے کھٹا ہو گیا۔ اپنے چار پانچ جوڑے جو وہ شہر
 سے لائی تھی بوسیدہ چار پائی کے نیچے سرکائے اور
 سب سے پہلے تو کمر پر دوپٹا باندھ کر اس اسٹور کو
 کسی انسان کے رہنے کی جگہ میں تبدیل
 کیا۔ دھول اگرچہ انتہا کی تھی مگر وہ تو شاید اس کی
 عادی تھی۔ بس ایک دو بار کھانسی ہوئی پھر چند ہی
 لمحوں میں اس نے اسٹور کو ایک خوبصورت کمرے
 میں تبدیل کر دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے کپڑوں
 کو تبدیل کرتی، دروازے پر دستک ہوئی۔
 ”جی کون۔۔۔!!“ اس نے دروازہ
 کھولتے ہوئے پوچھا۔

”کنیزوں کے کمرے بند نہیں ہوا کرتے
 آئی بات سمجھ میں۔۔۔ اور یہ کون کون کیا لگا رکھی
 تھی؟ یہ سوال کرنے کا حق صرف مالکوں کا ہوتا تم
 جیسی کنیزوں کا نہیں۔۔۔“ باہر عظمت کی چچی
 تھی۔ جو کہ ایک گرم مزاج خاتون معلوم ہوتی
 تھیں۔

”اور جلدی سے کچن میں جا کر اپنا کام
 سنبھالو۔۔۔“ یہ کہہ کر وہ پلٹیں۔

”لیکن میں تو چھوٹے سلطان کی کنیز بن

عظمت کے چچا کا گھر بھی کسی حویلی سے
 کم نہیں تھا۔ بڑا سائی وی لاؤنج جس میں دو صوفہ
 سیٹ اور درمیان میں ایک غیر ملکی نقش و نگار کی گئی
 ٹیبل جو سجا ہوا تھا۔ ٹی وی لاؤنج کے دائیں طرف
 زینہ تھا جبکہ بائیں طرف ایک بڑا سا پردہ لاؤنج
 اور لان میں تفریق کیے ہوئے تھا۔ اس آڑ کے
 باوجود بھینی بھینی خوشبو لاؤنج میں بیٹھے ہوئے کوئی
 بھی محسوس کر سکتا تھا۔ زینے کے بائیں جانب دس
 قدم کے فاصلے پر کچن تھا۔ یہاں بھی غیر ملکی نقش و
 نگار نمایاں تھا۔ سنگ مرمر سے بنے شیلف آنکھوں
 میں جیسے نقش ہی ہوتے جارہے تھے۔ شیلف سے
 ذرا اوپر کچھ الماریاں تھیں جن میں مصالحہ جات
 اور دیگر اشیاء رکھا ہوا تھا۔ یہاں بھی ایک عدد
 کھڑکی تھی جو لان سے تازہ ہوا کچن میں داخل کر
 رہی تھی۔ کچن سے باہر نکلا جائے تو بائیں جانب
 ہی اندرونی دروازہ تھا۔ المختصر پورا گھر ایک
 عالیشان محل تھا۔ کم سے کم کنیز بانو کے لئے تو تھا
 ہی۔ اس عالیشان محل میں رہنے والے بھی زیادہ
 لوگ نہیں تھے۔ عظمت کے چچا جو کہ اکثر میٹنگ
 کے سلسلے میں کبھی ایک شہر تو کبھی دوسرے شہر، ان
 کے علاوہ ان کی بیگم سلطانہ، بیٹا بابر اور بیٹی راحیلہ
 اس محل نما گھر کے مکین تھے۔ راحیلہ بی کام کی

دوئوں ہاتھوں کو سینے پر باندھتے ہوئے کہا تھا۔
”نن نہیں چھوٹے سلطان۔۔۔!!“ اس

نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنے قدم پیچھے
کھسکائے جبکہ وہ مسلسل آگے بڑھتا رہا۔

”ایسی بات نہیں ہے تو پھر کیسی بات

ہے؟“ وہ اپنی حد سے کافی آگے بڑھ چکا تھا جبکہ

کنیر بانو لگاتار پیچھے کھسک رہی تھی۔ قدم

دروازے کی طرف ٹھکنے کی بجائے دیوار سے جا

لگے۔ اب فراری کی کوئی راہ نہیں بچی تھی۔

”نہیں چھوٹے سلطان۔۔۔“ وہ جھجکی اور

نظریں چراتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ دروازہ

ایک فٹ کے فاصلے پر تھا جبکہ عظمت کے بازو اس

کے دونوں اطراف تھے۔ وہ اس کی سانسوں میں

آج بھی خماری کی بو محسوس کر سکتی تھی۔ اس لئے

اپنی سانسیں ایک لمحے کے لئے تھام لیں۔ لیکن

اگلے ہی لمحے اس کا دم گھٹنے لگا۔ سانسیں روکنا

دشوار ہو گیا۔

”مجھے کام ہے۔۔۔“ اس نے اپنا چہرہ

دروازے کی طرف موڑ لیا۔ اس کی یہ حالت

عظمت کے لئے باعث راحت تھی۔ جانے

کیوں؟ وہ کنیر بانو کی کیفیت سے حظ اٹھا رہا

تھا۔ جانے انجانے میں وہ اس کے قریب ہوتا

جا رہا تھا۔ چلتے پھرتے اسے دیکھتا تو دل میں

خود بخود ایک شش جنم لیتی۔ چہرے پر آئی ایک

سیاہ لٹ جو ہر وقت اس کی نظریں اتارتی، اس

کے دل کو مزید چل دیتی۔ وہ اس کی زلفوں کو کھلا

دیکھنا چاہتا تھا۔ جنہیں وہ ہمیشہ چٹیا میں قید رکھتی

تھی۔ آج جب وہ اس کے کمرے میں آئی تو ایک

پار پھر وہی کیفیت اس کے اندر بالچل پیدا کرنے لگی

تھی۔

”تمہارا کام بس میری ذات سے تعلق

اسٹوڈنٹ تھی اور زیادہ تر اپنی اسٹڈی کو ہی توجہ
دیتی جبکہ بابر اس کا دل تو جیسے پڑھائی سے اچاٹ
ہو چکا تھا۔ مشکل سے بی اے کیا اور پھر وقت کو
ضائع کرنا اس کا مشغلہ تھا۔ کبھی کسی کلب چلا گیا تو
کبھی کسی پارٹی کو انجوائے کر کے دن پورے کر
لئے۔ پیسوں کی کوئی کمی تو تھی نہیں جو اسے معاش
کی غرض ہوتی۔ بس عیش و عشرت سے زندگی
گزارنا تو جیسے اس گھر کے مکینوں کی خصلت تھی۔

☆.....☆.....☆

”چھوٹے سلطان۔۔۔!! یہ آپ کے
لئے۔۔۔“ وہ دودھ کا گلاس لے کر دبے دبے
قدموں کے ساتھ کمرے کی دہلیز پار کر کے عظمت
کے پاس آئی تھی لیکن بالکل پاس آنے سے
اجتناب ہی کیا۔

”رکھ دو اسے۔۔۔“ وہ نوٹس کو بیڈ پر
بکھیرے کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ بال پوائنٹ کو
انگلی میں گھماتے ہوئے اس کی نظریں بار بار نوٹس
پر جا کر ٹھہر جاتیں۔ کنیر بانو نے اثبات میں سر ہلایا
اور پھر دودھ کا گلاس رکھنے کے بعد فوراً وہاں سے
دروازے کی طرف چل دی۔

”رکو۔۔۔“ ابھی اس نے باہر قدم رکھنا
ہی چاہا تھا کہ عظمت کی آواز سے اس کا اٹھتا قدم
واپس پلٹ آیا۔

”جی چھوٹے صاحب۔۔۔ کوئی غلطی
ہوگئی کیا؟“ اس نے نیچی نگاہیں اور دبے لہجے میں
استفسار کیا تو عظمت نے سرتاپا اس کا پورا جائزہ
لیا اور پھر اپنی بال پوائنٹ کو وہیں نوٹس پر رکھتے
ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

”غلطی تو کوئی نہیں ہوئی۔۔۔ لیکن میں
دیکھ رہا ہوں جب سے تم یہاں میرے ساتھ آئی
ہو تمہارا چہرہ اُترا اُترا سا رہتا ہے۔۔۔“ اس نے

رکھتا ہے۔ میرے اجازت کے بغیر تم کوئی کام نہیں کر سکتی۔۔۔“ اس نے خماری میں کہا تو کنیر بانو کا دم گھٹنے لگا۔ وہ اس ذومعنی باتوں کو سمجھتی تھی۔

”میری نسبت میرے چچا زاد سے ملے ہے۔“ جانے کیوں اس کی زبان سے حقیقت آشنا ہو گئی۔ یہ سنتے ہی اس نے محسوس کیا کہ عظمت کے چہرے پر ایک تاثر نے جنم لیا۔ بازو خود بخود پیچھے ہٹ گئے۔ وہ مزید کچھ نہ بول سکا۔ عظمت کی یہ کیفیت دیکھ کر وہ اس کے بازو کو جھٹکتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اپنے کمرے میں آنے کے بعد بھی اس کا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا۔ سانسوں کی روانی بھی متاثر تھی۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے بھی چمک رہے تھے۔ وہ دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی عظمت کی حدت اب بھی اپنے گرد محسوس کر سکتی تھی۔ وہ عظمت کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر سوچ رہی تھی۔

”نہیں۔۔۔ یہ غلط ہے۔“ اس نے خود ہی اپنے خیالوں کو جھٹکا مگر خیال تھے کہ اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہے تھے۔ خیال تو تب پیچھا چھوڑتے جب اس سے سامنا نہ ہوتا۔ اگلے دن ہی ناشتے کی پلیٹ اس کے کمرے میں لے کر گئی تو اسے اپنے بستر پر سوئے ہوئے پایا۔ دروازہ غیر متوقع طور پر کھلا تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دینے کی بجائے سیدھا اندر جانا مناسب سمجھا۔ اس کے برہنہ بازو لحاف کے اوپر تھے اور لحاف سینے تک لپٹا ہوا تھا۔ کھڑکی سے کمرے میں داخل ہوتی باد نسیم اس کی زلفوں کے ساتھ اٹھیلیاں کر رہی تھی۔ اس نے ذرا کروٹ بدلی تو لحاف ذرا سر کا۔ سینے سے ذرا اوپر کا حصہ واضح ہوا تو اس کی آنکھیں شرم سے پانی پانی ہو گئیں۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں

سے ٹیبل پر ناشتہ رکھا اور پھر باہر کوچل دی لیکن پہلی دستک دل میں ہو چکی تھی۔ کام کاج کے دوران جانے انجانے میں عظمت کا خیال اس کے ذہن میں کسی انجانی قوت کی طرح اچھل مچائے جا رہا تھا۔ خوبرو، بے داغ، پرکشش چہرہ۔ برہنہ بازو ایک ادا سے سینے پر لپٹے ہوئے۔ ہوا کے سنگ لہراتی زلفیں۔۔۔ سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ ایسا پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ سلیم کے ساتھ اگرچہ نسبت کو ایک سال بیت چکا تھا لیکن وہ احساس کبھی پیدا ہی نہ ہوا جواب ہو رہا تھا۔ کچھ دنوں میں ہی وہ کتنی بدل چکی تھی۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تو اپنے خیالوں کو خود ہی جھٹک دیا۔

یہ حال فقط کنیر بانو تک ہی محدود نہ تھا۔ عظمت کا دل بھی جذبات سے سرشار تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کنیر کو پسند کرنے لگا۔ نوٹس پڑھنے کے لئے بیٹھتا تو لفظوں میں کنیر بانو کا عکس دیکھائی دیتا۔ کاغذ کے پنوں پر کام کرتی کنیر بانو کا عکس۔۔۔ کبھی کمرے کی چیزیں سمیٹتی تو کبھی اس کی وارڈروب میں کپڑے رکھتی۔۔۔ کبھی ناشتے کی پلیٹ اس کے سامنے ٹیبل پر لا کر رکھتی تو کبھی کچن میں اس کے لئے چائے بناتے ہوئے بالوں کی لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑیستے ہوئے عکس اس کے دل ناداں میں محور قص ہوتا۔ لبوں پر ایک نشنگی ابھرتی، دل قرابت کی منزلیں طے کرنا چاہتا مگر پھر خود ہی ٹھہر سا جاتا۔

”میری نسبت میرے چچا زاد سے ملے ہے۔“ یہ الفاظ تھے جو اس کے جذبات کو بام عروج پر پہنچنے سے روک رہے تھے۔ خواہشوں کی تکمیل کے راستے میں دیوار کی مانند تھے۔ اس نے گہری سانس لی اور دونوں ہاتھوں کو سر کے نیچے

رکھ کر نیم دروازہ ہوا تو ایک بار پھر اسی نے دروازے پر دستک دی۔

”کون ہے؟ آ جاؤ۔۔۔ دروازہ کھلا ہے۔“ اس نے چھت پر بنے نقش و نگار پر نظریں جمائے ہوئے کہا تھا۔

”چھوٹے سلطان۔۔۔ آپ کو چچی جان یاد کر رہی ہیں۔۔۔“ کمرے کی چوکھٹ پر کھڑے کھڑے ہی اس نے کہا اور جانے کے لئے ابھی پلٹنا ہی چاہا تھا کہ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا اور اس کی طرف چہرہ کرتے ہوئے گویا ہوا۔

”رکو۔۔۔“ وہ اب بیڈ پر دوزانوں بیٹھا تھا۔ نظریں جھکائے وہ پلٹی تھی۔

”جی چھوٹے سلطان۔۔۔“ اس نے مودبانہ کہا۔

”یہاں آؤ۔۔۔“ ایک لمحہ سوچنے کے بعد وہ آگے بڑھی اور بیڈ سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔

”جی چھوٹے سلطان۔۔۔!“ وہ ابھی تک نظریں جھکائے ہوئے تھی لیکن ان جھکی نظروں میں بھی وہ اس کا ڈارک بلیو ٹراؤزر اور اس پر ہلکے نیلے رنگ کی ٹی شرٹ سینے تک دیکھ سکتی تھی۔

”تمہارے پاس کوئی اور کپڑے نہیں ہیں کیا؟“ اس نے بغور کثیر بانو کا مشاہدہ کرنے کے بعد کہا تھا۔ اس سوال پر وہ جھجکی لیکن پھر سنبھلتے ہوئے سرفنی میں ہلا دیا۔

”ہنوں۔۔۔“ ایک لمحے کے لئے وہ سوچ میں ڈوب گیا اور پھر اٹھ کر وارڈ روب کی طرف بڑھا جبکہ کثیر بانو ویسے ہی نظریں جھکائے اگلے حکم کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کی سانسیں اگرچہ الجھ رہی تھیں مگر اسے وہیں رہنا تھا۔

”یہ تمہارے لیے۔۔۔“ وہ اپنی نظریں فرش

پر ہی جمائے ہوئے تھی کہ ایک شاہر میں لپٹا خاکی رنگ کا سوٹ اس کے آگے کر دیا گیا۔

”یہ کیا چھوٹے سلطان؟“ اس نے برجستہ اپنے ہاتھوں کو پیچھے کھینچ لیا اور خود بھی دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

”یہ سوٹ ہے تمہارے لئے۔۔۔ کل میں اپنے لیے شاپنگ کرنے گیا تھا۔ تمہارا خیال آیا۔ اس لئے تمہارے لئے لے لیا۔“ وہ ابھی تک سوٹ کو اس کے سامنے کئے ہوئے تھا۔ جبکہ اس کے حواس تو جیسے اس کے قابو میں نہ رہے تھے۔ ہاتھوں کے ساتھ ساتھ سر کو بھی نفی میں ہلا دیا۔

”نہیں۔۔۔ چھوٹے سلطان۔۔۔ میں یہ نہیں لے سکتی۔۔۔ مجھے معاف کیجیے۔۔۔“ یہ کہتے ہی وہ جانے کے لئے پلٹی لیکن عظمت نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ اس کے چھونے کے دیر تھی کہ وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔ ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے جسم سے روح نکال دی ہو اور وہ ایک صنم کی طرح مورت بن چکی ہو۔ اس کے ہاتھوں کی حدت اس کے جسم میں سرایت کرنے لگی۔ سانسوں کی روانی میں تیزی آگئی مگر اس نے کثیر بانو کو اپنی گرفت سے آزاد نہ کیا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں چھوٹے سلطان۔۔۔“ چھوڑے مجھے۔۔۔“ اس نے کلائی کو آزاد کرانے کی کوشش کی مگر سب بے سود رہا۔ عظمت سلطان نے اپنی گرفت پہلے سے زیادہ مضبوط کر دی۔ عظمت سلطان کی انگلیاں اس کی نازک کلائی میں دھنسنے لگیں۔ دھیرے سے وہ اس کے سامنے ہولیا۔

”پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم مجھے دیکھ کر اتنا بوکھلا کیوں جانی ہو؟ میں انسان ہوں کوئی جن بھوت تو نہیں۔۔۔“ اس کے لہجے میں ایک عجب سا تاثر

تھا جسے وہ محسوس کر سکتی تھی مگر محسوس کرنا نہیں چاہتی تھی۔

”خاموش کیوں ہو؟ جواب دو۔۔۔۔۔“ وہ قدرے خاموش اپنی کلائی کو آزاد کرانے کی کوشش کرتی رہی۔

”میری گرفت اتنی کمزور نہیں ہے کثیر بانو۔ ایک بار جو چیز میری گرفت میں آجائے میری چاہ کے بغیر بھی آزاد نہیں ہو سکتی۔“ اس نے ذومعنی لہجے میں اس کے چہرے کو ٹٹولتے ہوئے کہا تھا۔

”معاف کیجیے چھوٹے سلطان۔۔۔۔۔ میں کوئی چیز نہیں، ایک انسان ہوں اور میری نسبت میرے چچا زاد سے طے ہو چکی ہے۔“ ایک بار پھر اس نے اسی لفظ کا سہارا لیا لیکن اب وہ اس جملے کو سننے کا جیسے عادی ہو چکا تھا بھی اس کی گرفت کمزور نہ ہوئی بلکہ ایک معنی خیز مسکراہٹ نے جنم لیا۔

”لیکن کثیر تو ہوناں میری۔۔۔!!“ وہ ابھی تک اپنی آنکھوں کو جام دیدار سے سیراب کر رہا تھا۔ جبکہ اس کی نگاہیں کثیر بانو کے لئے کسی لاوا سے کم نہ تھیں۔ چاہتیں اور خواہشیں ایک طرف۔۔۔ عزت و ناموس ایک طرف۔۔۔ اس وقت اسے اپنی عزت، چاہت سے زیادہ پیاری تھی۔ چہرے پر ناگواری کے اثرات ابھرے اور اپنے دوسرے ہاتھ سے اپنی کلائی کو آزاد کروانا چاہا لیکن ایک صنف نازک کے ہاتھ بھلا ابن آدم کے آگے کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ اپنی تئیں اس نے پوری سعی کی مگر آخر میں جیت عظمت سلطان کی ہی ہوئی۔ وہ دبے لہجے میں مسکراتا ہوا کثیر بانو کی کیفیت سے حظ اٹھاتا رہا۔

”خدا کے لئے مجھے چھوڑ دیجیے چھوٹے سلطان۔۔۔۔۔ میری نسبت۔۔۔۔۔“ اس نے روہنسا

لہجے میں کہنا چاہا تھا لیکن عظمت نے مداخلت کی۔ ”مجھے معلوم ہے تمہاری نسبت طے ہو چکی ہے لیکن یاد رکھو نسبت ٹوٹ بھی سکتی ہے اور نئے رشتے کی گنجائش نکاح کے ہو جانے تک باقی رہتی ہے۔“ یہ جملہ اپنے اندر جانے کیسی چاشنی سیٹے ہوئے تھا۔ کثیر بانو جو پہلے بے قرار چھٹی کی طرح اڑنے کی کوشش کر رہی تھی، یہ جملہ سنتے ہی پرسکون ہو گئی۔ اپنی نگاہوں کو اٹھا کر عظمت کی طرف دیکھا تو آنکھیں آپس میں باتیں کرنے لگیں۔ ایک طرف طمانت تھی تو دوسری طرف ابھرتے جذبات۔ ایک طرف چاہت تھی تو دوسری طرف ٹھاٹھے مارتی خواہشیں۔۔۔ کثیر بانو کا دوسرا ہاتھ خود بخود نیچے سرک گیا۔ سماعت میں ایک عجب سا گیت گونجنے لگا۔ ہواؤں کی سرگوشیاں یکدم تیز ہو گئیں۔ کتنے ہی لمحے ایسے بیت گئے۔

”عظمت سلطان۔۔۔۔۔“ چچی جان کی آواز آئی تو کثیر بانو کو جیسے ہوش آیا۔ پیچھے ہٹی تو اس کا ہاتھ خود بخود عظمت کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ ایک بار پھر آنکھیں شرم سے پانی پانی ہو گئیں۔ اس نے پلٹنا چاہا تو اس نے دوبارہ اس کو جانے سے روک دیا۔

”یہ تو لیتی جاؤ۔۔۔۔۔“ اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھایا اور سوٹ آگے کر دیا۔ اس بار وہ منع نہ کر سکی اور بنا پلٹے وہ سوٹ اپنے قبضے میں لے لیا اور دوڑتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اس کو یوں جانا دیکھ کر اس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ ابھر آئی۔

☆.....☆.....☆

کئی دن تک وہ اس سوٹ کو روزانہ سونے سے پہلے دیکھتی اور پھر یونہی رکھ دیتی۔ دل چاہتا

Date: ایک بار پھر وہ Submission کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہی لیکن لاسٹ ڈیٹ کا ترجمہ اس نے آخری تاریخ کیا۔

”آخری تاریخ۔۔۔۔۔ یہ تو کل ہے۔۔۔“ اس کو قدرے تشویش ہوئی۔

”چھوٹے سلطان لگتا ہے بھول گیا۔۔۔ یہ نوٹ لکھنا۔۔۔ چلو میں یاد کروادوں گی۔“ اس نے مسکراتے ہوئے اس پیپر کو کاپی میں رکھنے کی بجائے کاپی کے اوپر رکھا اور اس پر ایک پزل گیم کا بکس رکھ دیا۔

”کیا یاد کروادوں گی؟“ عظمت کی دفعۃً آواز پر وہ بری طرح چونکی اور پلٹ کر دیکھا تو وہ کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ لائٹ چاکلیٹ کلر کی ٹی شرٹ اور ڈارک براؤن رنگ کی جینز میں ملبوس وہ ہمیشہ کی طرح پرکشش نوجوان لگ رہا تھا۔

”جی۔۔۔ وہ میں۔۔۔۔۔“ عظمت کو دیکھ کر اس کی آواز کپکپانے لگی

”جی۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ میں۔۔۔ کیا یاد کروانا چاہتی تھی صاف صاف کہو۔۔۔“ وہ اب اس کی طرف ہی بڑھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ سب فاصلے مٹ جاتے کنیر بانو نے عجلت سے وہ نوٹ کھینچا تو پزل بکس زمین پر لڑھک گیا مگر وہاں کسی کو اس کی پرواہ نہ تھی۔

”یہ نوٹ۔۔۔ آپ کو یہ نوٹ جمع کروانا تھا۔ کل آخری تاریخ ہے۔“ اس نے برق رفتاری سے اپنا جملہ مکمل کیا تو عظمت کے قدم کچھ فاصلے پر ہی رک گئے۔ وہ نوٹ اس کے ہاتھوں سے لیا اور پھاڑ کر ٹکڑوں کو ہوا میں اڑا دیا۔

”اوہ یہ نوٹس۔۔۔۔۔ ہنوں۔۔۔“ اس نے بے نیازی کے ساتھ کہا اور ٹکڑوں کو ہوا میں لہرانے

کہ ایک بار پہن کر دیکھے لیکن پھر جذبات جانے کوئی راہ پر چل نکلتے۔ وہ سوچتی رہ جاتی اور کسی اور سوٹ کو زیب تن کر لیتی۔ آج بھی جب وہ کمرے کی صفائی کرنے عظمت کے کمرے میں گئی تو جانے سے پہلے اسی سوٹ کو دیکھ کر الماری میں رکھ دیا۔ عظمت کمرے میں موجود نہیں تھا۔ اس نے اسٹڈی ٹیبل سے نوٹس سمیٹ کر کاپی میں رکھنا چاہے تو انجانے میں اس کی نگاہ ایک پیپر پر پڑی۔

”Write a comprehensive note on common person.“

اس جملے کو اپنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں ترجمہ کیا۔ وہ آٹھ کلاس تو پڑھ ہی چکی تھی۔ کچھ انگلش کے ورڈز سے آشنا تھی۔ بس ایک دور ڈاس کی سمجھ سے بالا تر تھا۔

”comprehensive“ یہ لفظ اس نے ابھی تک پڑھا نہیں تھا۔ باقی لفظوں کا مطلب وہ سمجھتی تھی۔

”عام آدمی پر کچھ لکھو۔۔۔“ اس نے ترجمہ کیا۔ یہ دیکھ کر اس کے اندر ایک تجسس پیدا ہوا۔ اس نے اپنا کام چھوڑا اور کاپی سے نوٹس کو دوبارہ نکال کر ٹولا۔ کچھ تو فوٹو کاپی تھے۔ جس پر بہت کچھ انگلش میں لکھا ہوا تھا۔ جو اس کی سمجھ سے بالاتر تھا لیکن جس پیپر پر یہ نوٹ لکھا تھا اس کے ساتھ سات صفحات منسلک تھے مگر اس پر کچھ بھی درج نہ تھا۔

”شاید چھوٹے سلطان نے ابھی لکھا ہی نہیں۔۔۔“ اس نے اندازہ لگایا اور پھر دوبارہ رکھنے کے لئے کاپی رکھی تو اس کی نظر صفحہ کے شروع میں لکھی تاریخ پر گئی۔

”Submission Last“

”مارکس کی پرواہ ہے لیکن مجھے سمجھ ہی نہیں آ رہا کہ اس اسائنمنٹ میں کیا لکھوں؟“ اس نے جواز بتایا۔

”سمجھ نہیں آ رہا۔۔۔ کیا مطلب ہے آپ کا چھوٹے سلطان؟“

”در اصل بات یہ ہے کہ نوٹ مجھے کسی عام آدمی پر لکھنا ہے۔ عام آدمی کیا ہوتا ہے؟ کیسے زندگی بسر کرتا ہے؟ صبح شام کیسے گزارتا ہے؟ زندگی میں آنے والے طوفانوں کا سامنے کیسے کرتا ہے؟ اور اس طرح کا بہت سا مواد۔۔۔“ اس نے کہتے ہوئے ایک سرد آہ بھری اور اٹھ کر بیڈ کی طرف بڑھا جہاں پزل بکس گرا تھا۔

”تو لکھ دیجیے۔۔۔ اس میں اتنا سوچنے والی کیا بات ہے؟“ آگے بڑھ کر کنیر بانو نے کہا۔ عظمت نے نیچے جھک کر خود پزل بکس اٹھایا لیکن اس بار اپنی ٹی شرٹ کو ذرا تانے رکھا۔ واپس پلٹا اور اسے اسٹڈی ٹیبل پر دوبارہ رکھ دیا۔

”سوچنے والی بات یہ ہے کہ میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔“ عظمت سلطان کی اس بات پر ایک خاموشی نے دونوں کے درمیان ڈیرہ جمالیا جسے اگلے ہی لمحے خود عظمت نے توڑا۔

”میں شروع سے ہی محلوں اور حویلیوں میں پلا بڑھا ہوں۔ یہ عام آدمی کیسے ہوتے ہیں ان کا لائف اسٹینڈرڈ کیسا ہوتا ہے؟ مجھے کچھ معلوم نہیں۔“ اس نے ایک بار پھر سرد آہ بھری اور دوبارہ کنیر بانو کی طرف پلٹا۔

”بس اس لئے۔۔۔ میں یہ اسائنمنٹ نہیں لکھ رہا۔“ اب وہ وارڈ روب کی طرف بڑھنے لگا۔ دروازہ وا کرنے کے بعد ٹائمیںٹ گاؤن نکالا اور واش روم کی طرف بڑھنے کے لئے ابھی قدم ہی اٹھائے تھے کہ کنیر بانو عجلت سے گویا ہوئی۔

”اس حرکت پر کنیر بانو ششدر رہ گئی۔ عظمت کی اس حرکت پر کنیر بانو ششدر رہ گئی۔“

”یہ کیا کیا آپ نے چھوٹے سلطان۔۔۔ یہ تو آپ کا ہوم ورک تھا۔ آپ نے پھاڑ دیا۔۔۔“ اس نے استفہامیہ انداز میں ان ٹکڑوں کو سیٹنا شروع کیا۔

”اسے ہوم ورک نہیں اسائنمنٹ کہتے ہیں اور جب میں یہ اسائنمنٹ کرنے والا ہی نہیں تو پھاڑ دینا ہی بہتر تھا۔“ یہ کہتے ہوئے وہ بیڈ پر نیم دراز ہوا۔

”نہیں۔۔۔ کرنے والے۔۔۔ مگر کیوں؟ دیکھیے اسکول کا کام دل لگا کر کرنا چاہئے۔ ورنہ ٹیچر ناراض ہوتے ہیں۔“ وہ بڑی معصومیت سے اس کو کہہ رہی تھی جبکہ وہ اسکول کا لفظ سن کر بے اختیار ہنس پڑا۔

”آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟ میں سچ ہی تو کہہ رہی ہوں۔۔۔“ وہ عظمت کو ابھی تک سمجھنے سے قاصر تھی یا پھر اپنے لفظوں کو سمجھ ہی نہیں سکی تھی۔

”دیکھو کنیر ہالو۔۔۔ میں اسکول نہیں یونیورسٹی جاتا ہوں اور یہاں ٹیچر و پیچر ناراض نہیں ہوتے بس اسائنمنٹ نہ کرنے کے مارکس کٹتے ہیں اور کچھ نہیں۔۔۔“ اس نے لا پرواہی کے ساتھ کہا اور دونوں ہاتھوں کو سر کے نیچے گھسیٹ لیا۔

”مارکس تو کٹتے ہیں ناں۔۔۔ آپ کو کیا مارکس کی پرواہ نہیں ہے کیا؟“ اس نے اپنی نظریں عظمت کی طرف کیں تو وہ خود بخود دلوٹ آئیں۔ لپٹتے ہوئے اس کی ٹی شرٹ ذرا اکٹھی ہو چکی تھی۔ جس کا احساس عظمت کو کنیر بانو کی جھکی نگاہوں سے فوراً ہو گیا۔ جھٹ اٹھ بیٹھا اور ٹی شرٹ کو ذرا کھینچا اور دوبارہ گویا ہوا۔

ہوں۔ آپ انگلش میں اسے ترجمہ کر کے لکھ دیں۔“ اس مشکل کا بھی کنیر بانو نے حل بتا دیا۔ کنیر بانو کی اس عقل مندی پر وہ شانے اچکا کر رہ گیا۔

”یہ تو بہت اچھا ہو گیا۔۔۔ چلو پھر۔۔۔“ وہ اسٹڈی ٹیبل پر جا بیٹھا جبکہ کنیر بانو ٹہلتے ہوئے اسے عام آدمی کے متعلق بتاتی رہی۔ وہ لکھتا رہا۔ لکھتا رہا اور بس لکھتا رہا۔ آج نہ جانے کیوں اس کا قلم خود بخود چلتا جا رہا تھا۔ لکھنے میں مزہ بھی آ رہا تھا۔ کنیر بانو کی آواز اس کی سماعت میں پہنچتے ہی جملے کو انگلش میں کنورٹ کر دیتی اور اس کا قلم اگلے ہی لمحے اسے کاغذ پر نقش کر دیتا۔ ٹہلتے ہوئے وہ مسلسل اپنے ہاتھوں کا بھی استعمال کر رہی تھی۔ وہ کھل طور پر بھول چکی تھی کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟ خود کو ایک پار پھر گاؤں کے اسی کچے اسکول میں محسوس کر رہی تھی۔ جہاں اکثر صبح صبح وہ ٹیچر کو اپنا سبق سناتی تھی۔ اس وقت وہ ایک اسٹوڈنٹ تھی لیکن آج وہ ایک ٹیچر کی طرح عظمت کو عام آدمی پر لیکچر دے رہی تھی۔

”ایک عام آدمی جب بہت سے عام کرتا ہے تو عام لوگوں میں خاص بن جاتا ہے۔“ ”اصل زندگی تو عام لوگوں کی ہوتی ہے۔ جنہیں ہر شے حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔ روٹی کے نوالے سے لے کر قبر کی مٹی تک کوئی شے بیٹھے بٹھائے نہیں ملتی۔“ وہ کہتی جا رہی تھی اور یہ سنتا جا رہا تھا۔ قلم رک گیا۔ مگر اس کی آواز نہ رکی۔ وہ بس اپنی دھن میں تھی۔ عظمت نے قلم کو سائیڈ پر رکھا اور پلٹ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی، دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھ کر اسے یک ٹک دیکھنے لگا۔ لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اور دل میں عجیب سا جذبہ خود بخود پروان چڑھ رہا

”تو پھر میں آپ کی مدد کر دیتی ہوں۔۔۔“ مجھے تو پتا ہے کہ عام آدمی کیسا ہوتا ہے؟ کیسے زندگی گزارتا ہے۔۔۔“ اس نے معصومانہ لہجے میں کہا تو وہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ استفہامیہ نگاہوں سے کنیر بانو کی طرف دیکھا۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہیں چھوٹے سلطان۔۔۔!! میں لکھوائی ہوں ناں آپ کو۔۔۔“ مجھے معلوم ہے سب کچھ۔۔۔؟“ اس نے ایک بار پھر جملہ دہرایا تو اس بار عظمت کے لب ہلے۔ ”کیا مطلب؟ تم یہ اسائنمنٹ لکھنے میں میری مدد کرو گی؟“ وہ اس کی بات پر ہنس دیا۔ وہ سمجھا شاید یہ مذاق کر رہی ہے۔

”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے چھوٹے سلطان؟ میں نے آٹھ جماعتیں پڑھی ہیں گاؤں کے اسکول سے۔ وہ تو آگے بھی پڑھتی لیکن۔۔۔“ اس کی زبان خود بخود پھسلنے لگی مگر اس نے جلد ہی اپنی زبان کو لگام دی اور موضوع تبدیل کر دیا۔ ”خیر۔۔۔ آپ لکھیں۔۔۔ میں بتاتی ہوں آپ کو کہ کیا لکھنا ہے؟“ اس نے اسٹڈی ٹیبل سے کاغذ کے پیر اٹھائے اور عظمت کے ہاتھوں میں تھما دیئے۔ عظمت اس کو ششدر دیکھتا جا رہا تھا۔ اسے ابھی تک اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کنیر بانو نے فوراً بولنا شروع کر دیا۔ عظمت سلطان نے ٹائٹ گاؤں صوفے پر پھینکا اور اسے ٹوک دیا۔

”کوئی غلطی ہوئی کیا؟“ اس نے معصومانہ کہا۔

”غلطی کوئی نہیں ہوئی۔۔۔ لیکن تم اردو میں بول رہی ہو اور مجھے اسائنمنٹ انگلش میں لکھنا ہے۔“ اس نے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔ ”تو کیا ہوا؟ میں اردو میں آپ کو بتا رہی

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

| | | | |
|---------------|--------------------|------------------|------------------|
| عُمیرہ احمد | صائمہ اکرام | عُشنا کوثر سردار | اشفاق احمد |
| نمرہ احمد | سعدیہ عابد | نبیلہ عزیز | نسیم حجازی |
| فرحت اشتیاق | عفت سحر طاہر | فائزہ افتخار | عنایت اللہ التمش |
| قُدسیہ بانو | تنزیلہ ریاض | نبیلہ ابرار | ہاشم ندیم |
| نگہت سیما | فائزہ افتخار | آمنہ ریاض | ممتاز مفتی |
| نگہت عبد اللہ | سباس گل | عنیزہ سید | مُستنصر حُسین |
| رضیہ بٹ | رُخسانہ نگار عدنان | اقراء صغیر احمد | علیم الحق |
| رفعت سراج | اُمِ مریم | نایاب جیلانی | ایم اے راحت |

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے افق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،
جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

لگا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کے ہاتھوں کو سمیٹ لیا۔ ایک بار پھر احساس جسم سے جسم تک مسافت طے کرنے لگا۔

”معاف کر دیجیے۔۔۔۔۔“ اس بار یہ گرفت اتنی مضبوط نہیں تھی۔ تبھی کینر بانو نے ایک ہی جھٹکے میں اپنے آپ کو آزاد کروایا اور باہر کوچل دی اور پیچھے پلٹ کر تبھی نہ دیکھا۔ عظمت سلطان نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہ کی۔ کیوں؟ شاید دونوں جانتے تھے۔

☆.....☆.....☆

عظمت سلطان کے کہنے پر آج اس نے پہلی بار وہ خاکی رنگ کا سوٹ زیب تن کیا۔ کئی لمحوں تک تو وہ خود اپنی نظریں آئینے سے نہ ہٹا سکی۔ سفید رنگت پر خاکی رنگ جس پر کہیں کہیں سیاہ رنگ کی دھاریاں تھیں۔ دیکھنے میں ایک عام سا سوٹ تھا لیکن دینے والا بہت خاص تھا۔ زندگی میں کسی بھی اجنبی کی طرف سے ملنے والا پہلا تحفہ اس نے استعمال کیا تھا۔ سلیم کا خیال کچھ دنوں سے اس کے ذہن سے بالکل نکل چکا تھا۔ شہر میں آنے کے بعد کچھ دن تک وہ اپنے گھر کو یاد کرتی رہی مگر پھر نہ جانے کیوں وہ اس نئے ماحول کی عادی ہو گئی۔ جب بھی کسی اپنے کو دیکھنے کا دل چاہتا تو چپکے سے عظمت کو دیکھ لیتی۔ ساری تشنگی بجھ جاتی۔ آج بھی وہ اپنے آپ کو سجا رہی تھی۔ کس کے لئے؟ شاید وہ جانتی تھی یا پھر نہیں۔۔۔۔۔ بات چاہے کوئی بھی تھی اتنا ضرور تھا۔ اس کے دل میں بھی جذبات داخل ہو چکے تھے۔ جسے وہ جھٹلاتو سکتی تھی مگر منہ موڑ نہیں سکتی تھی۔ بس انہی خیالوں سے پیچھا چھڑاتی ہوئی وہ عظمت کے کمرے میں داخل ہوئی۔ بائے چانس اس دن عظمت نے بھی خاکی رنگ کی شرٹ زیب تن کی

تھا۔ وہ کبھی داش روم کے دروازے تک جاتی تو کبھی بیڈ کے پہلو تک۔۔۔ دونوں کے مابین وہ نہ جانے کتنے چکر کاٹ چکی تھی۔ اگر وہ اس کی باتوں سے بوریٹ محسوس کرتا تو ضرور ان چکروں کو گنتا لیکن اسے تو اس کا بولنا اچھا لگ رہا تھا۔ آنکھیں نیم خماری میں اسے دیکھ رہی تھیں اور وہ ٹہلنے ہوئے اپنا لیکچر دے رہی تھی۔ تبھی لاشعوری طور پر اس کی نگاہیں عظمت کی طرف گئیں تو حیرت سے گویا ہوئی۔

”یہ کیا آپ لکھ نہیں رہے؟“ وہ آگے بڑھی تو اس نے اپنی ہنسی کو ضبط کیا اور اپنی نشست پر کھڑا ہوا۔

”جناب۔۔۔!! میں نے لکھنا تو پچھلے پندرہ منٹ سے بند کیا ہوا ہے؟“ اس نے غیر معمولی لہجے میں کہا۔

”کیوں؟“ اس نے برجستہ کہا۔
”کیونکہ اسائنمنٹ صرف ۷ صفحات پر مبنی تھی اور میں ۱۱ صفحات لکھ چکا ہوں۔“ اس نے جواز پیش کیا۔

”تو آپ مجھے روک دیتے۔۔۔ میں اتنی دیر سے بولے جا رہی تھی۔۔۔“ اس نے کہا۔

”کیوں روک دیتا؟ آخر پہلی بار تم میرے سامنے بلا جھجک بول رہی تھی۔ اب ایسے کیسے روک دیتا؟“ اس نے معنی خیز لہجے میں کہا تو کینر بانو کو بہت شرمندگی محسوس ہوئی۔

”معاف کیجیے۔۔۔ مجھے معلوم ہی نہیں ہوا تھا۔ اگر معلوم ہوتا تو میں اتنا نہ بولتی۔۔۔“ اسے واقعی شرمندگی ہو رہی تھی۔ اسی لئے دونوں ہاتھ عظمت سلطان کے سامنے جوڑ لئے۔

”ارے۔۔۔ یہ کیا کر رہی ہو؟ تمہیں معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔ مجھے کچھ برا نہیں

www.paksociety.com

سے دھیرے سے اس کا بازو اپنی جانب کھسکایا تو
فاصلے ملتے چلے گئے۔

”چھوڑے چھوڑے سلطان۔۔۔“ آواز
میں کپکپاہٹ تھی لیکن آج اس کپکپاہٹ کا جواز
کچھ اور تھا۔

”سلطان بھی کہتی ہو اور حق بھی جتانے
نہیں دیتی۔۔۔“ اس نے دوسرا ہاتھ بھی اپنی
گرفت میں لے لیا تو اس نے اپنی آنکھیں بند کر
دیں۔

”ان آنکھوں کو شرمندہ ہونے کی کوئی
ضرورت نہیں۔۔۔ میں کوئی غیر شرعی کام نہیں
کرنے والا۔ تمہیں چاہتا ضرور ہوں لیکن
اسلامی قوانین کا بھی پاس ہے مجھے۔“ وہ بس کہتا
جارہا تھا اور وہ نظریں جھکائے سنتی جا رہی تھی۔

”دیکھ کنیر۔۔۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں
اور تمہیں اپنانا چاہتا ہوں۔“

”لیکن۔۔۔“ اس نے کچھ کہنا چاہا تو
عظمت سلطان نے اپنی شہادت کی انگلی اس کے
لبوں پر رکھ دی۔ گویا اس کے بولنے پر مہر لگا دی
ہو۔ اب وہ مزید کچھ نہ بول سکی۔ انگلی اگرچہ اپنی
گرفت کھو چکی تھی لیکن مہر ابھی تک باقی تھی۔

”لیکن دیکھ کنیر۔۔۔ میں تمہیں
اپنانا چاہتا ہوں تو بس اپنانا چاہتا ہوں اور میں نے
نکاح کا سارا انتظام کر لیا۔ ہم آج اور ابھی نکاح
کر رہے ہیں۔“ کنیر بانو کے لئے یہ لفظ کیا تھے؟

بہار کی مثل یا پھر خزاں کا موسم؟ وہ سمجھنے سے قاصر
تھی؟ سلیم اور باقی سب رشتوں کو وہ اس وقت
بھلا چکی تھی۔ عظمت کی ہیبت تھی یا پھر اس کی عظیم
چاہت جو اسے کسی اور رشتے کی طرف دیکھنے کا
موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔ یہ کنیر کی فرمانبرداری
تھی یا دل میں اٹھنے والے جذبات کی شدت؟ وہ

فی الوقت سمجھنے سے قاصر تھی۔ ایک ٹک بس عظمت
سلطان کو دیکھتی جا رہی تھی۔

”چلو میرے ساتھ۔۔۔“ یہ کہنا تھا کہ اس
نے اس کے ہاتھوں کو تھاما اور باہر کی طرف چل
دیا۔ کنیر بانو بھی کوئی مزاحمت نہ کر سکی اور اپنے
ہونے والے سیاں کے نقش قدم پر چل پڑی۔ وہ
سیدھا اسے کار تک لے گیا اور پھر فرنٹ سیٹ پر
بٹھانے کے بعد خود کار ڈرائیو کی۔ زندگی میں پہلی
بار وہ کار میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ ایک بار اس
وقت جب وہ عظمت کے ساتھ شہر آئی تھی لیکن
تب وہ بیک سیٹ پر بیٹھی تھی اور آج عظمت کے
بالکل ساتھ۔ اسے عجیب سی گھبراہٹ ہو رہی تھی مگر
یہ گھبراہٹ ملنے والی خوشی سے زیادہ نہیں تھی۔ کار
ڈرائیو کرتے ہوئے بھی وہ کن آنکھیوں سے اس کو
تکتا رہا۔ اس کے لبوں پر پھیلتی مسکراہٹ اس کی
بے چینی کو ایک لمحے کے لئے ختم کر دیتی۔ ایک
مسجد میں نکاح کرنے کے بعد وہ اسے ایک پلازہ

میں لے گیا۔ دیوہیکل پلازہ کو کو دیکھ کر جیسے کنیر
بانو کی آنکھیں کھل گئیں۔ اگر وہ اس پلازہ کی
اونچائی کو دیکھنے کی کوشش کرتی تو شاید پیچھے ہی
لڑھک جاتی۔

”اتنی بڑی دکان؟“ اس کی معصومیت پر
عظمت ہنس دیا۔ دائیاں ہاتھ سینے پر باندھتے
ہوئے بائیں ہاتھ کو لبوں پر رکھتے ہوئے گویا
ہو یا۔

”یہ دکان نہیں یہ پلازہ ہے۔۔۔ اور شہروں
میں ایسے ہی بڑے بڑے پلازے ہوتے ہیں
شاپنگ کرنے کے لئے۔۔۔ چلو اب تمہارے لئے
کچھ سوٹ پسند کرتے ہیں۔“ اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ
پلازہ میں داخل ہوا۔ پلازے میں داخل ہونے
کے بعد تو جیسے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ

گئیں۔ چمکتی دکتی روشنیاں جیسے دن میں بھی کئی سورج طلوع ہوں۔ ہر دکان پر ماڈلز کے اسٹیچوز کو دیکھ کر تو جیسے اس کی سانسیں اٹک گئیں۔ رنگ برنگی دنیا دیکھ کر جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ اسی دنیا میں قدم رکھ چکی ہے۔ ہر شے نئی اور حیران کن تھی۔ پہلے عظمت سلطان اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور اب وہ مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ اس پلازے میں کہیں کھونہ جائے۔ عظمت کے داہنے بازو سے لپٹے ہوئے وہ چلتی جا رہی تھی۔ لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھتی اور ایک مسکراہٹ کے بعد واپس لوٹ آتیں۔

”یہ لوگ ہمیں دیکھ کر ہنس کیوں رہے ہیں؟“ آخر کنیر بانو سے رہا نہ گیا اور استفسار کیا۔ ”وہ اس لئے کہ تم نے مجھے پکڑا ہی کچھ اس طرح ہیں جیسے کوئی بچہ پکڑتا ہے اپنے والدین کو۔۔۔“ عظمت کے کہنے پر اسے واقعی اپنی غلطی کا احساس ہوا اور فوراً اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔ وہ دونوں ایک شاپ میں داخل ہوئے جہاں ہر طرف لیڈیز ڈریسز تھیں۔

”جو ڈریس پسند ہو۔۔۔ بتا دو مجھے۔۔۔“ عظمت نے کہا تو اس نے ایک سرسری نگاہ پوری شاپ پر ڈالی۔ عالیشان ڈریسز جو آج تک اس نے بس کسی فلم کے پوسٹر میں کسی ہیروئن کو پہنے ہی دیکھے تھے، اس کے سامنے تھے۔ حقیقت کو اتنے قریب سے دیکھ کر اس نے ایک جھرجھری لی اور جھٹکنی میں سر ہلا دیا۔

”نہیں۔۔۔ آپ پسند کر لیں چھوٹے سلطان۔۔۔ جو آپ پسند کریں گے، میں پہن لوں گی۔“ اس کے کہنے پر عظمت نے شانے اچکائے اور مختلف ڈریسز کو ٹٹولنے کے بعد ایک ہلکا آسمانی

رنگ کا جوڑا پسند کیا۔ ”کیسا ہے یہ؟“ عظمت سلطان کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ ڈریس دیکھنے میں واقعی بہت خوبصورت تھا۔ عظمت نے سیل بوائے کو بلایا تو کنیر بانو کی نگاہ اس ڈرس کے ساتھ لگے ٹیگ پر گئی جہاں اس کی قیمت تیس ہزار لکھی تھی۔ قیمت دیکھ کر جیسے اس کی اوپر کی سانسیں اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئیں۔

”تت تت میں ہزار۔۔۔ سنیے۔۔۔“ اس نے جھٹ عظمت سلطان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

”یہ بہت مہنگا ہے۔۔۔ آپ دوسری شاپ پر چلیں جہاں قیمت کم ہو۔“ کنیر بانو کی اس بات پر اسے بے انتہا ہنسی آئی۔ اگر وہ اس وقت پلازے میں نہ ہوتا تو قہقہے لگا کر ہنستا مگر یہاں وہ ایسا نہ کر سکا۔ اپنی ہنسی کو ضبط کرنا ہی ماحول کا تقاضا تھا مگر مسکراہٹ کو بھلا کیسے قابو کیا جاسکتا تھا۔

”تم خاموش رہو۔۔۔ بس۔“ اس نے ہنسی کو ضبط کرتے ہوئے بس اتنا ہی کہا جبکہ وہ تجسس عظمت کو دیکھی جا رہی تھی۔ وہ اسے سمجھنے سے قاصر تھی۔ بل بے کرنے کے بعد وہ اس پلازے سے باہر نکل آئے لیکن کنیر بانو ابھی تک اسی کشمکش میں تھی

”کیا ہوا؟ تمہیں سوٹ پسند نہیں آیا۔“ عظمت اس بات کو شاید بھول چکا تھا اسی لئے دوبارہ استفسار کیا۔

”پسند تو آیا لیکن اتنا مہنگا سوٹ لینے کی کیا ضرورت تھی آپ کو۔۔۔ میں نے آج تک کبھی سات سو سے مہنگا سوٹ نہیں پہنا اور آپ میرے لئے تیس ہزار کا سوٹ لے آئے۔“ اس نے ایک ہی جملے میں پوری کہانی بتا دی۔

”پسند آیا تو بس۔۔۔ میرے لئے تمہاری

عظمت کو نصیحت کی تو اس نے اثبات میں گردن ہلا دی اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

☆.....☆.....☆

”عظمت نظر نہیں آ رہا۔ کہیں گیا ہے کیا؟“ وہ عظمت کے وارڈ روم میں کپڑے رکھ رہی تھی جب راحیلہ نے اس سے سوال کیا تھا۔

”جی۔۔۔ وہ پڑھنے گئے ہوئے ہیں۔“ اس نے کپڑے رکھتے ہوئے جواب دیا۔

”اوہ۔۔۔ میں تو سمجھی تھی وہ آچکا ہوگا۔“ وہ بڑبڑائی اور پلٹنے لگی تو اس کی نگاہ بیڈ کے سرہانے پر گئی۔ وہ پلٹتے پلٹتے رک گئی اور باہر جانے کی بجائے اس نے بیڈ کا رخ لیا۔

”یہ۔۔۔“ جھکتے ہوئے اس نے سرہانے سے ایک ٹوٹی ہوئی چوڑی کا ٹکڑا اٹھایا اور واپس پلٹی۔ خاموش کمرے میں اس کی سرگوشی بھی کنیر بانو کی سماعت میں پہنچ گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو سانسیں اٹک گئیں۔

”یہ چوڑی کا ٹکڑا عظمت کے سرہانے کیا کر رہا ہے؟“ اس نے گھور کر کنیر بانو کی طرف دیکھا تو اس کی آواز لڑکھڑانے لگی۔

”جی۔۔۔ وہ۔۔۔“ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو مسلنے لگی تو راحیلہ کی نگاہیں کنیر بانو کی کلائی کی طرف گئی۔

”یہ تمہاری چوڑیوں کا لگتا ہے ٹکڑا؟“ اس بار اس نے تیکھے لہجے میں استفسار کیا تھا۔ یہ سن کر تو جیسے اس کا حلق خشک ہو گیا۔ مٹھیاں پھینچتے ہوئے آگے بڑھی اور عجلت کے ساتھ بیڈ شیٹ کو جھاڑنے لگی۔

”وہ۔۔۔ دراصل۔۔۔ صبح۔۔۔ جب میں۔۔۔ صفائی کر رہی۔۔۔ تھی۔۔۔ تب ٹوٹ۔۔۔ گئی تھی۔۔۔ اٹھانا۔۔۔ بھول

پسند زیادہ عزیز ہے۔ آئی بات سمجھ میں اور پہلے تم میری کنیر تھی اور بیوی۔۔۔ آئی بات سمجھ میں“ اس نے اپنا چہرہ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

”لیکن چھوٹے سلطان۔۔۔!!“ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن عظمت نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”اب کچھ نہیں بولنا تم نے۔۔۔ میرا حکم ہے تمہیں“ اس نے پہلی بار لفظ حکم استعمال کیا تھا۔ کنیر بانو خاموشی سے بیٹھ گئی۔ گھر لوٹنے پر بھی وہ خاموش رہی۔ دہلیز پر ہی دونوں کا چچی سے سامنا ہوا۔

”کہاں گئی تھی تم؟“ انہوں نے کنیر بانو کی طرف تیکھی نگاہوں سے دیکھا۔

”یہ میرے ساتھ گئی تھی۔ مجھے شاپنگ کرنی تھی۔۔۔“ عظمت نے آگے بڑھ کر جواب دیا۔

”لیکن بیٹا! گھر کے کام کاج ویسے کے ویسے پڑے ہیں۔ لان میں دیکھو ابھی تک اس نے پانی نہیں لگایا اور کچن میں بھی برتن بکھرے پڑے ہیں“ وہ گھورتے ہوئے کنیر بانو کی طرف بڑھیں۔

”کوئی بات نہیں چچی جان۔۔۔ ابھی کر دے گی یہ۔۔۔ چلو تم یہ شاپنگ بیگ میرے کمرے میں رکھ کر آؤ۔۔۔“ عظمت کے کہنے پر اس نے شاپنگ بیگ اس کے ہاتھوں سے لیے اور کمرے کی طرف چل دی۔ چچی جان کی نگاہ صرف شاپنگ بیگ پر گئی۔ اس پر لگے ٹیگو کو وہ نہ پڑھ سکی تھی زیادہ سوال و جواب نہ کیے مگر دہکتی نگاہوں میں ضرور جھلنا پڑا تھا اسے۔

”کنیروں کو زیادہ سر پر چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے بیٹا۔۔۔“ اس کے جاتے ہی

”اچھا۔۔۔“ یہ سن کر وہ بھی قدرے سوچ

میں ڈوب گیا۔

”چھوٹے سلطان۔۔۔ آپ انہیں ہمارے نکاح کے بارے میں بتا کیوں نہیں دیتے؟ ایسے ان کا شک بھی دور ہو جائے گا اور جس نظر سے وہ اب مجھے دیکھتی ہیں، اس نظر سے۔۔۔“ وہ اپنا جملہ ابھی مکمل بھی نہ کر سکی تھی کہ عظمت نے مداخلت کی۔

”نہیں۔۔۔ ایسا سوچنا بھی مت۔۔۔“ اس

نے برجستہ کہا۔

”ابھی ہمارے نکاح کی خبر فقط ہم دونوں

کے درمیان ہی رہنی چاہیے۔۔۔ سنا تم نے۔۔۔“ اس نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

”لیکن چھوٹے سلطان۔۔۔“ اس نے کچھ

کہنا چاہا۔

”سنا نہیں تم نے۔۔۔ کیا کہا میں نے۔۔۔“

اس کا لبہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ہو گیا۔ شاید مالک اور کنیر کا رشتہ درمیان میں آ گیا تبھی ایک بار پھر اس کی نگاہیں جھک گئیں مگر اس بار جھکنے کی وجہ شرمندگی نہیں بلکہ بے بسی تھی۔

”دیکھو۔۔۔ سال مکمل ہونے میں بس

ایک ماہ رہ گیا ہے۔ اگلے ماہ ہم دوبارہ گاؤں جا رہے ہیں اور گاؤں پہنچنے تک ہم یہ سچائی کسی کو نہیں بتا سکتے۔ ایک بار میں گھر پہنچ کر بابا سلطان سے بات کر لوں پھر اس نکاح کا اعلان میں سب کے سامنے کر دوں گا۔“ اسے اپنے سخت رویے کا احساس ہوا تو فی الفور نرم لہجے میں سمجھایا۔

”چھوٹے سلطان۔۔۔“ اس کی بے بسی

واضح تھی لیکن عظمت کے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

”تمہیں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔ میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔۔۔“ یہ

کہتے ہی اس نے کنیر بانو کو اپنی باہوں میں لے لیا۔ اس کے گیلے بالوں کی ایک بوند اس کے ہاتھوں پر آگری۔ ایک احساس اس کے جسم میں اترتا چلا گیا اور وہ ایک بار پھر اپنے دل کے ڈر کا اظہار نہ کر سکی۔

☆.....☆.....☆

اب ان کے جانے میں فقط دو دن بقایا تھے۔ عظمت کی تعلیم بھی مکمل ہو چکی تھی۔ رزلٹ اور ڈگری سب کچھ اس کے پاس تھا۔

”اب کیا کرنے کا ارادہ ہے بھائی

صاحب!“ باہر نے پوچھا تھا۔

”بھئی۔۔۔ اب تو ہم گھر جا رہے ہیں واپس۔۔۔ آخر ایک سال ہو گیا، گاؤں کو دیکھے ہوئے۔۔۔“ اس نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ اتنے میں کنیر بانو سب کے لئے ایک ایک چائے لے آئی۔

”یہ کیا؟ ابھی سے۔۔۔ ابھی تو دو دن بقایا ہیں۔۔۔“ فوراً راحیلہ نے مداخلت کیا۔

”تو کیا ہوا۔۔۔ دو دن پہلے بھی تو جاسکتے ہیں ہم۔۔۔“ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے عظمت نے جواب دیا تو راحیلہ کا منہ اتر گیا۔ باہر نے ایک نظر کنیر کی طرف دیکھا اور پھر چائے کا گھونٹ لیا۔

”بات جو بھی۔۔۔ بھائی صاحب آپ کے جانے کے بعد ہم آپ کی اس کنیر کے ہاتھوں کو بہت مس کریں گے۔“ اس نے ذومعنی لہجے میں کہا تو عظمت نے تنبیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”میرا مطلب ہے بھائی صاحب کہ یہ اتنے مزے مزے کے کھانے تو بنا کر دیتی تھی اور پھر اس کے ہاتھوں کی چائے۔۔۔ آفرین۔۔۔ آفرین۔۔۔“ اس نے ایک سر دآہ بھرتے ہوئے

”عظمت سلطان۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہیں

آپ۔۔۔ یہ مت بھولے ایک معمولی سی کنیر کے لئے آپ بابر پر ہاتھ اٹھانے جا رہے تھے۔“

راحیلہ کا رویہ بھی جارحانہ تھا۔ یہ بات کنیر بانو کے لئے اب ناقابل برداشت ہو چکی تھی۔ شاید اسی ڈر کی بات وہ عظمت سلطان سے کرنا چاہتی تھی۔

”بس بہت ہو گیا۔ اب میں ایک پل بھی

یہاں نہیں رکنے والا۔۔۔ چچا آئیں تو کہہ دینا کہ

عظمت اپنی کنیر کے ساتھ واپس چلا گیا۔“ یہ کہتے

ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

”دیکھا۔۔۔ سچ کتنا کڑوا لگا۔ ہوں۔۔۔“

گردن جھٹکتے ہوئے واپس اپنا جائے کا کپ اٹھایا

جبکہ راحیلہ ابھی تک عظمت کو جاتا دیکھ رہی

تھی۔ اس بار تو عظمت نے کنیر بانو کو بچا لیا لیکن

بہت جلد وہ خود بے بس ہونے والا تھا۔

☆.....☆.....☆

”لیکن آپ کو ایسا برتاؤ ان کے ساتھ نہیں

کرنا چاہئے تھا۔“ کنیر نے واپسی پر عظمت کو

سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن اسے سمجھانے کا کوئی

فائدہ نہ ہوا۔

”تم چپ کر کے بیٹھی رہو۔ ایسا نہ ہو کہ

کہیں اس کا غصہ تم پر اتر جائے۔“ اس نے سپاٹ

لہجے میں کہا اور فاسٹ ڈرائیو کرنے لگا۔ کئی بار کار

بال بال حادثے سے بچی لیکن اس نے اسپید

آہستہ نہ کی۔ کنیر نے ہراساں سیٹ بیلٹ کے

ساتھ ساتھ سیٹ کے دونوں اطراف کو مضبوطی

سے تھامے ہوئے تھا۔ اس کا چہرہ اس کے خوف کو

ظاہر کر رہا تھا۔ وہ بے بسی کے ساتھ عظمت سلطان

کے چہرے کی طرف دیکھتی جو آگ کی مانند دھک

رہا تھا۔ ایک طرف عظمت کا غصہ تھا تو دوسری

طرف موسم کا ستم۔ بادل بھی اپنا قہر برسا رہے تھے

پاس سے گزرتی کنیر بانو کے دوٹے کے پلو کو

سوگھا تو جیسے عظمت کے جسم میں آگ لگ گئی۔

”بابر۔۔۔“ وہ غرایا۔ اس کے غرانے کی

آواز اس قدر اچانک تھی کنیر بانو کے ہاتھوں سے

ٹرے نیچے گر گئی۔ چونکہ اس کا رخ دوسری طرف

تھا اس لئے وہ بابر کی اس حرکت سے انجان تھی۔

”اپنی حد میں رہو۔۔۔“ سخت لہجے میں

اسے تنبیہ کی۔

”بھائی صاحب۔۔۔!! یہ کیا ہوا آپ

کو؟ میں نے تو بس۔۔۔“ اسے جیسے اپنی حرکت

پر بالکل بھی شرمندگی نہ تھی۔

”میں نے تو بس کیا؟ وہ کنیر ہے تو اس کا

مطلب یہ نہیں کہ تم اس کے ساتھ جو چاہو وہ

کرو۔۔۔“ آگے بڑھ کر اس نے بابر کا گریبان

پکڑ لیا۔ آنکھیں اس قدر مشتعل تھیں کسی بھی لمحے

آگ اگل سکتی تھیں۔

”اور جو آپ کرتے ہیں اس کے ساتھ؟“

بابر بھی حاضر دماغ تھا جھٹ ساری بات خود

عظمت پر لے آیا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا کرتا ہوں

میں؟“ بابر کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی اس کی

گرفت کمزور ہو گئی۔ بابر نے اپنی شرٹ کھینچ کر

سیدھی اور بے اعتنائی سے گردن جھٹکی۔

”زیادہ انجان بننے کی کوشش مت کریں۔

مجھے اچھی طرح معلوم ہے، آپ دونوں کے

درمیان کیا چل رہا ہے۔ بس یہ کہیں ناں کہ آپ کو

اس بات پر مرچیں لگ گئیں کہ آپ کے علاوہ کوئی

اور آپ کی کنیر پر حق جتلائے۔۔۔“

”بابر۔۔۔“ وہ غرایا اور مارنے کے لئے

ابھی اپنا ہاتھ ہی اٹھایا تھا کہ راحیلہ درمیان میں

آگئی۔

لیکن وہ یہ بات خاطر میں نہ لائی۔ جبکہ عظمت
اسے پک ٹک دیکھتا ہی جا رہا تھا۔ کینر کے بالوں
سے پانی کی بوندیں شپ شپ اس کے بازوؤں پر
گرنے لگی۔

”یہ لیجیے۔۔۔“ آخر کار وہ آف واپس
شرٹ نکالنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔ واپس آگے
کی طرف پلٹی اور اس کو عظمت کے ہاتھوں میں
تھما دیا۔

”لیکن چیئنج کہاں کروں؟“ اس نے
استفہامیہ انداز میں پوچھا۔
”یہی کار میں۔۔۔ چلیں اب اس شرٹ کو
اتاریں۔۔۔“ اس نے خود سے عظمت کی شرٹ
کے بٹن کھولنے شروع کیے اور وہ خاموشی سے اس
کو تکتا رہا۔ اس کے ہاتھوں کے لمس کو اپنے وجود
میں اتارتا رہا۔ اس کی آنکھوں کی حدت اس کے
وجود کو اپنے سحر میں جکڑنے لگی تو اس نے بھی اپنے
ہاتھ پیچھے گھسکا لئے اور اپنا چہرہ کھڑکی کی جانب
موڑ لیا۔ اتنے میں عظمت نے بھی شرٹ تبدیل کر
دی۔

”مجھے تو شرٹ چیئنج کروا کے سردی سے
بچالیا۔ اب اپنے آپ کو کیسے بچاؤ گی؟“ اس نے
شوخی لہجے میں کہا تو کینر بانو جیسے جھرجھری لے کر
رہ گئی۔ بولنے کی سکت نہ رہی۔ آنکھیں خود بخود
جھکتی چلی گئیں۔

”اب خاموش کیوں ہو؟ خود کو کیسے بچاؤ
گی سردی سے۔۔۔؟ ہنوں؟“ اس نے اپنے
ہاتھوں سے اس کا چہرہ اوپر کو اٹھایا تو عظمت کی
دلفریب مسکراہٹ نے اس کے چہرے پر بھی
مسکراہٹ بکھیر دی۔

”میں ٹھیک ہوں۔۔۔“ وہ بس اتنا ہی کہہ
سکی۔ بارش کی رم جھم مسلسل جاری تھی۔ بادلوں کی

گرج کی آواز کانوں کی سماعت اچک لے جانے
کو تیار تھی۔ تبھی یک دم عظمت نے کار کی بریک
لگائی۔

”گوٹو ہیل۔۔۔“ اس نے اسٹیرنگ پر
ایک زوردار ہاتھ مارا۔ اور دروازہ کھول کر باہر
نکل کر انجن کی طرف بڑھا۔ بادلوں کی گرج مزید
بڑھ گئی۔

”بارش بھی ابھی ہونی تھی۔“ دیکھتے ہی
دیکھتے رم جھم بھی شروع ہو گئی۔ عظمت اور موسم
کے بدلتے تور کینر بانو کے لیے ناقابل برداشت
تھے۔ اس نے گھبراہٹ کے ساتھ باہر دیکھا تو ہر
طرف پانی پانی نظر آیا۔ تبھی عظمت کی چیخ کی
آواز آئی۔ جسے سن کر وہ دفعۃً کار سے باہر آئی۔
”کیا ہوا چھوٹے سلطان؟“ اس نے
بارش کی بھی پرواہ نہ کی۔ اور عظمت کو دیکھنے باہر
آ موجود ہوئی۔ انجن کا ڈھکن اچانک اس کے
ہاتھ پر آن گرا تھا۔

”کچھ نہیں تم جاؤ کار میں بیٹھو۔۔۔“ اس
کی بلند آواز بھی بارش کی نظر ہو گئی۔ صرف چند
لحوں میں ہی دونوں مکمل طور پر بھیگ چکے تھے۔
”نہیں۔۔۔ آپ بھی چلیں۔۔۔“ پہلی بار
اس نے عظمت کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا۔ اسے پہلے
ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھایا اور بعد میں خود اپنی سیٹ
پر آ بیٹھی۔ عظمت کینر بانو کی اس حرکت کو دیکھتا رہ
گیا۔ کچھ دیر پہلے جو غصہ آنکھوں میں انگاروں کی
طرح بھڑک رہا تھا بارش کی بوندوں نے خاک بنا
دیا۔

”کتنا بھیگ چکے ہیں آپ۔۔۔ سردی لگ
گئی تو۔۔۔“ یہ کہتے ہی وہ بیک سیٹ کی طرف پلٹی
اور سوٹ کیس سے ایک شرٹ نکالنے کی کوشش
کی۔ اسی کوشش میں وہ کئی بار عظمت سے ٹکرائی

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

| | | | |
|---------------|--------------------|------------------|------------------|
| عُمیرہ احمد | صائمہ اکرام | عُشنا کوثر سردار | اشفاق احمد |
| نمرہ احمد | سعدیہ عابد | نبیلہ عزیز | نسیم حجازی |
| فرحت اشتیاق | عفت سحر طاہر | فائزہ افتخار | عنایت اللہ التمش |
| قُدسیہ بانو | تنزیلہ ریاض | نبیلہ ابرار | ہاشم ندیم |
| نگہت سیما | فائزہ افتخار | آمنہ ریاض | ممتاز مفتی |
| نگہت عبد اللہ | سباس گل | عنیزہ سید | مُستنصر حُسین |
| رضیہ بٹ | رُخسانہ نگار عدنان | اقراء صغیر احمد | علیم الحق |
| رفعت سراج | اُمِ مریم | نایاب جیلانی | ایم اے راحت |

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے افق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،
جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

”یہ سامان اٹھا کر چھوٹے سلطان کے کمرے میں رکھ دو۔۔۔“ بیگم رخسار نے پلٹتے ہوئے حکم دیا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
”اور سناؤ بیٹا! کیسا گزرا سال؟ ہمیں بھول تو نہیں گئے تھے۔۔۔“

”نہیں بابا سلطان۔۔۔ کیا بات کر رہے ہیں آپ۔۔۔“ آوازیں آہستہ آہستہ مدہم ہوتی گئیں۔ اس کے قدم سب سے دور چلے گئے۔ اتنے دور کہ شاید واپسی بھی ممکن نہ تھی۔

☆.....☆.....☆

انہیں آئے ایک ہفتہ بیت چکا تھا لیکن عظمت سلطان نے پلٹ کر اس کی طرف ایک نظر بھی نہ دیکھا۔ حویلی کے دروازے بھی اس پر بند کر دیئے گئے۔

”تمہیں بس ایک سال کے لئے چھوٹے سلطان کی کنیر بنایا گیا تھا کبھی تم۔۔۔ اب کل سے یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔“ بیگم رخسار نے فیصلہ صادر کیا تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ دل نے چاہا کہ سچائی سے آشنا کر دے لیکن چھوٹے سلطان سے کیا وعدہ یاد آگیا۔

”میں آپ کی کنیر ہوں اور ہمیشہ رہوں گی۔ اگر آپ اس نکاح کو ابھی منظر عام پر نہیں لانا چاہتے تو میں بھی نہیں لاؤں گی۔ آپ کا چاہ میں ہی میری راحت ہے۔ آپ کی خوشی میں ہی میری زندگی ہے۔“ ایک رات اس نے عظمت سلطان سے وعدہ کیا تھا۔ وہی وعدہ اس کے پاؤں میں بیڑیاں بن کر اس کو جکڑے ہوئے تھا۔ چارونا چار اسے حویلی سے رخصت ہونا پڑا۔ عظمت کسی کام سے بڑے سلطان کے ساتھ گیا ہوا تھا۔ اس لئے وہ اس سے بات بھی نہ کر سکی اور خاموشی سے

گرج نے ماحول میں ایک عجب سا سحر مرتب کیا ہوا تھا۔ کب تک بارش ہوتی رہی دونوں کو علم ہی نہ تھا۔ جب بارش رکی تو سورج کی سرخی اس کے چہرے کو بوسہ دینے لگی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اپنا سر عظمت کے سینے پر پایا جبکہ اس کی ہانہیں اپنے گرد حائل پائیں۔ وجود کی گرمی میں جانے کب دونوں خواب خرگوش کی نیند میں چلے گئے؟ اس نے اپنے زلفوں کو سمیٹا جو عظمت کے چہرے پر بکھری ہوئی تھیں۔ کنیر بانو کی جنبش سے عظمت کے وجود میں بھی جنبش آگئی۔

”بارش ختم گئی ہے۔۔۔“ اس نے جھجکتے ہوئے کہا تو عظمت نے بھی ایک جھرجھری لی۔
”اوہ۔۔۔ اتنی جلدی وقت بیت بھی گیا۔“

انگڑائی لیتے ہوئے عظمت سلطان نے کہا۔
”جی ہاں۔۔۔ اب جلدی حویلی پہنچیں۔۔۔ سب پریشان ہو رہے ہونگے۔۔۔“

”یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔۔۔“ یہ کہتے ہی عظمت نے کار اشارت کی اور حویلی کی طرف چل دیے۔ کنیر بانو کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ جو وہ دوسرے رخ کئے عظمت سے چھپائے ہوئے تھے۔

☆.....☆.....☆

حویلی پہنچتے ہی سب نے عظمت کا پر تپاک استقبال کیا۔ سب اس کی آمد پر بہت خوش تھے۔ کار سے باہر قدم رکھتے ہی سب نے اسے اپنی آنکھوں پر بٹھالیا جبکہ کنیر کا وجود نظر انداز کر دیا گیا۔ عظمت بھی ایک لمحے کے لئے اسے بھول گیا۔ آگے بڑھ کر بڑے سلطان کے گلے لگ گیا اور حویلی میں چلا گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک حسرت نے جنم لیا لیکن پھر خود ہی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔

اپنے سیاں کے گھر سے رخصت ہو گئی مگر اتنے عرصے کی قربت بھلا اتنی جلدی کہاں بھلائی جا سکتی تھی؟ اور جب قربت میں نکاح کا رشتہ قائم ہو جائے تو ڈوریاں پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ہو جاتی ہیں۔ کہنے کو تو وہ ایک کینز تھی لیکن شریعت میں اب وہ بیگم سلطان بن چکی تھی لیکن یہ حقیقت صرف دو روحوں کے مابین تھی۔ تیسرا بشر اس حقیقت سے بے خبر تھا۔ تبھی اس پر نئی قیامت توڑی گئی۔

”بانو بیٹا! تمہارے چچا سے میری کل بات ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اب تمہاری اور سلیم کی شادی کر دی جائے۔“ یعقوب علی نے کتنی آسانی سے یہ الفاظ کہہ دیے۔ ان الفاظ کا وزن اگر معلوم کرنا تھا تو کوئی بانو سے پوچھتا جس پر زمین تنک کر دی گئی تھی۔ آسمان چھین لیا گیا تھا۔

”کک کک کیا؟ شادی۔۔۔؟“ اس کو تو جیسے اپنی سماعت پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ نکاح پر نکاح کا سن کر تو جیسے اس کے حواس اڑ گئے۔ وہ ایک پل کے لئے نہ تو سن سکتی تھی اور نہ ہی دیکھ سکتی تھی۔ اگر وہ چارپائی پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے نہ بیٹھے ہوتی تو ضرور ہا ضرور پیچھے لڑھک جاتی۔ اپنا سر بے بسی کے ساتھ دیوار کے ساتھ ٹکا لیا۔ اس کے بعد یعقوب علی نے کیا کہا۔ اسے کچھ معلوم نہیں۔ اس کی سماعت تو جیسے لفظ شادی کے گرد گھوم رہی تھی۔

”چھوٹے سلطان۔۔۔ خدا کے لئے ایک بار سب کے سامنے ہمارے نکاح کا اظہار کر دیں۔۔۔ خدا کے لئے چھوٹے سلطان۔۔۔“ آنکھوں میں آنسوؤں کے ایک انبار نے سکونت اختیار کر لی۔ وقت کی ڈوریں جیسے الجھتی چلی گئیں۔ ہرگز رتا لمحہ قیامت بن کر اس پر

ٹوٹا چلا گیا مگر ساتھ نبھانے کا وعدہ کرنے والا نہ صبح آیا اور نہ ہی شام۔ سورج اپنے سفر پر گامزن رہا۔ چاند کی منزلیں طے ہوتی رہیں مگر کثیر بانو کا ستارہ کوہ قاف کے اندھیروں سے طلوع نہ ہوا۔ ہر سو اندھیرا تھا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا۔ ایسے میں بھلا سانسوں میں روانی کیسے رہ سکتی تھی۔ وہ روز جیتی اور روز مرتی اور پھر زندہ کر دی جاتی۔ آنکھوں میں بیٹے لمحوں کا ڈیرہ رہتا۔ عظمت سلطان کے ساتھ گزارے گئے لمحات اس کی بے قرار زندگی میں ایک پل کے لئے مسکراہٹ تو لے آتے مگر جلد ہی خزاں بن کر رخصت ہو جاتیں۔ انہی دنوں جب اس کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں اس کی طبیعت بگڑتی چلی گئی۔ ایسے میں جو قیامت ٹوٹی، وہ پورے گھر کو اپنی گرفت میں لے گئی۔ وہ قیامت بانو کے ماں بننے کی تھی۔ جو چھوٹے سے گھر کی بنیادوں کو ہلا گئی۔ بانو کے سر سے چھت کو جدا کر گئی۔ سلیم کے ساتھ جڑے رشتے کو ایک لمحے میں توڑ کر چلی گئی۔ اس رشتے کے ٹوٹنے کا تو غم نہیں تھا اسے، غم تھا تو بس اپنے ابا کے سر پر لگی بدنامی کا۔ جو اصل بات سے انجان تھا۔

”بد بخت! یہ کیا کیا تو نے؟ بیٹیاں تو اپنے ماں باپ کا سر فخر سے اونچا کرتی ہیں اور تو نے تو ہمارے سر خاک مل دی۔۔۔“ بانو کی ماں نے دہائی دی۔

”نہیں اماں۔۔۔“ اس نے روتے ہوئے کچھ کہنا چاہا تھا۔

”بند کر اپنی بکواس۔۔۔ تجھے شہر اپنی عزت بچانے کے لئے بھیجا تھا نا کہ عزت گنوانے کے لئے۔۔۔“ اس کی کمر پر ایک زور دار گھونہ مارتے ہوئے اس کی ماں نے کہا تھا۔

Handwritten text in Urdu script, organized into two columns. The text appears to be a detailed account or a collection of verses, with some lines starting with 'وہ' (He) and 'میں' (I), suggesting a narrative or a personal reflection. The script is fluid and characteristic of 19th-century Urdu calligraphy.

Handwritten text in Urdu script, continuing the narrative or reflection from the previous section. It includes phrases like 'میں نے' (I have) and 'میں' (I), indicating a continuation of the personal or narrative content.

شاید وہ ایسے ہی پڑی رہتی اگر وہ اس وقت وہاں سے نہ گزرتا۔ جیسے ہی وہ اپنی کار میں بیٹھا حویلی میں داخل ہونے لگا، سرسری نگاہ اس کے وجود پر پڑی۔ اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ جسے وہ اتنے دن سے فراموش کیے ہوئے تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کی سانسیں اٹک گئیں مگر اس نے اترنا مناسب نہ سمجھا۔ شاید ناک آڑے آگئی۔ وہ سیدھا اندر چلا گیا مگر اگلے ہی لمحے ایک نوکر باہر آیا۔

”اے لڑکی! تجھے چھوٹے سلطان بلار ہے

ہیں۔۔۔“

”چھوٹے سلطان!“ زیر لب کہا اور عجلت سے اٹھ کر اندر کی طرف دوڑی۔ وہ لان میں ٹہل رہا تھا۔ سفید رنگ کی شيروانی پہنے، ہاتھوں میں سگار جلائے اس نے سرسری نگاہ اس پر دوڑائی تو وہ دوڑتی ہوئی اس کے قدموں میں آگری۔

”خدا کے لئے چھوٹے سلطان! اپنی اس کنیز کو اپنا لیجیے۔ اپنی اس کنیز کو بے عزت ہونے سے بچا لیجیے۔ لوگ مجھ پر بدچلن ہونے کا الزام لگا رہے ہیں، اس الزام کو میرے ماتھے سے ہٹا دیجیے۔ خدا کے لئے چھوٹے سلطان۔۔۔!“ وہ اس کے پاؤں میں بیٹھی منت سماجت کر رہی تھی۔

”یہ کیا کر رہی ہو تم۔۔۔ اٹھو۔۔۔ اٹھو یہاں سے۔۔۔“ اس نے اپنے قدم پیچھے گھسیٹے ہوئے کہا تو جیسے ایک کنیز پر دوسرا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ اس کا مالک اس کے سر سے اپنا ہاتھ کھینچ رہا تھا۔

”خدارا! چھوٹے سلطان۔۔۔! آپ تو ایسا مت کہیں۔۔۔ آپ کی کنیز اپنا سب کچھ لٹا کر آپ کے پاس آئی ہے۔ آپ تو ایسا سلوک مت کریں۔۔۔“ وہ ایک بار پھر اس کے پاؤں میں گر گئی۔ بالوں کی لٹیں جنہیں کبھی عظمت سلطان اپنے ہاتھوں سے سینچتا تھا، آج اس کے چہرے پر

بھری پڑی ہیں۔۔۔ اپنی کنیز اور اپنے وارث کو بونہی لاوارث نہ چھوڑیے۔۔۔“ ان الفاظ کی ادائیگی کی دیر تھی کہ اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ یک ٹک کنیز بانو کی طرف دیکھنے لگا۔

”کک کک کیا کہا؟ وارث؟“ اس کی آواز اب ہکلا نے لگی تھی۔

”ہاں چھوٹے سلطان! اپنے وارث کی ماں کو اتنا بدنام مت کیجیے۔۔۔ خدارا!“ اس کے ہاتھوں سے سگار نیچے گر گیا۔ پل بھر میں ہی آسمان ٹوٹ پڑا۔ لاشعوری طور پر نگاہ سامنے گئی تو بڑے سلطان کو کھڑا پایا۔ جو اپنی قہر انگیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”بابا سلطان۔۔۔!!“ وہ بڑبڑایا مگر کنیز بانو پر

کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ پہلے کی طرح ہی آہ و بکا کرتی رہی۔ نظریں جھکائے، اپنی عزت مانگتی رہی۔ بڑے سلطان اشتعال انگیز نگاہوں سے عظمت سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے آگے بڑھے تو اس کے دم خشک ہو گئے۔

”وہ۔۔۔۔۔ بابا۔۔۔۔۔ سلطان۔۔۔۔۔“ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کروادیا گیا۔

”تم سے تو بعد میں بات کرتا ہوں۔۔۔“

پہلے اس لڑکی کا کچھ کرلوں۔۔۔۔۔“ انہوں نے ایک نظر کنیز بانو پر ڈالی پھر سکھاں کو آواز دی تو وہ دوڑی چلی آئی۔

”جی بڑے سلطان۔۔۔ آپ نے بلایا۔“

”اس لڑکی کے رسنے کا بندوبست

کرو۔۔۔۔۔ جاؤ یہاں سے۔۔۔“ سکھاں کنیز بانو کو

اپنے ساتھ لے گئی جبکہ اب چھوٹے سلطان اور

بڑے سلطان اکیلے تھے۔



برف کا ٹکڑا

سردار۔ ایک برف کا ٹکڑا اٹھا کر غور سے دیکھنے لگا۔

دکاندار۔ ”ارے کیا ہو گیا بھائی صاحب کیا دیکھ رہے ہو۔“

سردار۔ ”یار میں دیکھ رہا ہوں یہ لیک کہا سے ہو رہا ہے۔“

(عمران ملک۔ ٹنڈو آدم)

سلطان نے مداخلت کی۔

”خبردار! جو ایک لفظ بھی آگے بولا تو۔۔۔ یہ کنیریں دل بہلانے کے لئے تو ہو سکتی ہیں مگر دل میں بسانے کے لئے نہیں۔۔۔ سمجھے تم۔۔۔“ انہوں نے جیسے اپنا فیصلہ صادر فرمایا تھا۔

”لیکن بابا سلطان۔۔۔!!“ ایک بار پھر

بڑے سلطان نے مداخلت کی۔

”اب بس۔۔۔ ایک لفظ بھی نہیں بولو گے

تم۔۔۔ سناتم نے اور یاد رکھنا، اس کنیر کا لفظ آج کے بعد میں تمہاری زبان سے نہ سنوں۔۔۔ سمجھے تم۔۔۔“ عقابی آنکھوں سے وار کرتے ہوئے وہ فی

الوقت تو وہاں سے چلے گئے مگر عظمت سلطان کے دل سے کنیر بانو کا خیال نہ نکال سکے۔ وہ اس سے دور تو رہا مگر ہر وقت اس کے بارے میں سوچتا رہتا مگر کچھ کر نہ سکا۔ اور اب جب وہ اس کے

سامنے تھے، پھر سے بے بس تھا۔ کنیر بانو کے سامنے اس کی منگنی کی رسم ادا کی جا رہی تھی۔ اس کی نسبت کسی اور سے طے کی جا رہی تھی۔ یہ وقت کنیر بانو کے لئے کتنا کٹھن تھا، اس کا انداز عظمت سلطان لگانے سے قاصر تھا۔ لیکن اس نے اف

کہنے کو رہنے کے لئے چھت تو مل گئی مگر ہوا وہی جو اکثر داستانوں میں ہوا کرتا ہے۔ کنیر ہمیشہ کی طرح کنیر ہی بنی رہی۔ نام ملانہ عزت۔ صرف بے نام وجود۔ بے نام زندگی۔ رشتے کی ڈور ہوتے ہوئے بھی بے مقصد زندگی۔ عظمت سلطان نے کنیر بانو سے شادی تو کر لی مگر اس کا برملا اعتراف نہ کر پایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر سے آتے ہی اس کے لئے رشتے آنے شروع ہو گئے۔ پہلے پہل تو وہ انکار کرتا رہا مگر پھر بڑے سلطان نے اس کو بچپن میں ہونے والے رشتے کے بارے میں بتایا تو وہ سچائی کو اب مزید چھپانہ سکا۔

”بابا سلطان میں شادی نہیں کر سکتا۔۔۔“

اس نے نظریں جھکائے کہا تھا۔

”مگر کیوں؟“ انہوں نے سپاٹ لہجے میں

دریافت کیا۔

”کیونکہ میں نکاح کر چکا ہوں۔۔۔ کنیر بانو

کے ساتھ“ یہ سننے کی دیر بھی کہ بڑے سلطان نے عظمت سلطان کے رخسار پر ایک تھپڑ رسید کیا۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ بات کہنے

کی؟ تم جانتے بھی اس بات کا مطلب؟“ انہوں نے جبرڑے پھینچتے ہوئے کہا۔

”جی بابا سلطان۔۔۔!! میں سچ کہہ رہا

ہوں۔۔۔ میں نے کنیر بانو کے ساتھ۔۔۔“

ایک بار پھر اس کے رخسار پر تھپڑ لگایا گیا۔ اس کا چہرہ مزید جھک گیا۔

”عظمت سلطان۔۔۔ یہ مت بھولو تم

ایک سلطان ہو اور وہ ایک معمولی کنیر۔۔۔“ وہ غرائے۔

”لیکن اب وہ کنیر میری۔۔۔“ اس سے

پہلے کہ عظمت سلطان اپنی بات مکمل کرتا، بڑے

www.paksociety.com

تک اپنی زبان سے نہ نکالا۔ خاموشی سے ہر کام کرتی رہی۔ ایک کنیر بن کر۔

”ارے یہ تو وہی ہے ناں۔۔۔ جسے اس کے گھر والوں نے بدچلن کہہ کر گھر سے نکال دیا تھا۔۔۔“ ان آوازوں نے حویلی کا بھی رخ کر لیا۔ رسم منگنی میں بھی اس کو یہ باتیں سننے کو ملیں۔ اس نے استفہامیہ نگاہوں سے عظمت سلطان کی طرف دیکھا مگر وہ بھی نظریں چرا کر رہ گیا۔ دل میں پیدا ہوئی امید کی کرن ایک بار پھر دم توڑ گئی۔ خواہشات کا خون کر دیا گیا۔

”ہم ٹھہرے اس گاؤں کے بڑے سلطان۔ اگر ہم ہی گاؤں کے بے سہارا لوگوں کو سہارا نہیں دیں گے تو اور کون دے گا۔ بدچلن سہی لیکن ہے تو اسی گاؤں کی۔۔۔“ بڑے سلطان نے لوگوں کی باتوں کا جواب تو دیا مگر اس کے وجود کو مزید پارہ پارہ کر دیا۔ اگر وہ جواب نہ دیتے تو ٹھیک تھا۔ کم سے کم اس کو بھیگ تو نہ ملتی۔ سر پر موجود چھت اب اسے ہمدردی اور بھیگ میں ملی خیرات محسوس ہونے لگی۔ جو کہ ایک بیوی کا حق ہے اس پر جتلیا جانے لگا۔ آنکھیں پر نم سی رہنے لگیں۔ وقت بیتا چلا گیا۔ عظمت سلطان کی شادی کے دن قریب آتے گئے۔ ابھی ایک دن جو آواز اس کی سماعت میں گئی۔ جسے سن کر اس کا ریختہ وجود تقریباً اس دنیا سے کوچ ہی کر گیا۔

”بس بچہ ہو جانے تک، وہ اس حویلی میں ہے۔ اس کے بعد اس کنیر کا سایہ تک اس حویلی میں بھٹکنا نہیں چاہئے۔ آئی بات سمجھ میں۔۔۔“ وہ پانی پینے کے لئے کچن کی طرف جا رہی تھی جب مہمان خانے سے بڑے سلطان کی آواز اس کی سماعت میں گونجی

”لیکن بابا سلطان۔۔۔“ یہ عظمت سلطان

کی آواز تھی۔ جس نے احتجاج کرتا چاہا لیکن وہ دیا گیا۔ ”تم سے رائے نہیں مانگی۔۔۔ بتایا ہے تمہیں۔۔۔ ایک بات یاد رکھنا، اگر تمہارے اور اس کنیر کے رشتے کی خبر کسی کو بھی ہوئی تو تمہیں آق کرنے میں مجھے ایک سیکنڈ بھی نہیں ملے گا۔۔۔ سمجھے تم۔۔۔“ بڑے سلطان نے دھمکی دی تو ایک لمحے کے مہمان خانے میں خاموشی چھا گئی۔ سب کڑیاں جڑتی چلی گئیں۔ عظمت سلطان کے اظہار نہ کرنے کا سبب اب اس کے سامنے آ گیا۔ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر اپنی چیخ کو دبانا چاہا۔

”اور بچہ۔۔۔“ عظمت سلطان نے کہا۔ ”کسی قیمتم خانے میں دے دینا۔۔۔! مگر ایک بات یاد رکھنا وہ کنیر اور بچہ کبھی ملنے نہیں چاہئے۔۔۔ کیونکہ اگر وہ دونوں اکٹھے رہے تو اس حویلی کی شان و شوکت پر سوالیہ نشان بن سکتے ہیں۔ اس بچے کے پیدا ہوتے ہی، اس بچے کو لے جانا کسی قیمتم خانے میں داخل کرانے۔۔۔ یہ الفاظ نہیں سفاکیت کی انتہا تھی۔ کہنے والے نے کہہ دیے۔ سننے والے نے سن لیے۔ مگر ایک ماں۔۔۔ اس کے لئے تو جیسے زندگی کے چراغ کو ہی بجھا دیا گیا ہو۔ اس کے بچے کو اس سے الگ کر دینا۔

”نہیں۔۔۔ میں اپنے بچے کے بغیر نہیں رہ سکتی۔۔۔ نہیں رہ سکتی۔۔۔“ وہ دوڑتی اندر چلی گئی اور اندر جاتے ہی بڑے سلطان کے پاؤں میں گر کر اپنے بچے کے ساتھ رہنے کی بھیگ مانگنے لگی۔

”نہیں بڑے سلطان۔۔۔ ایسا ظلم مت

کیجیے گا۔ ایک ماں کو اپنے بچے سے مت جدا کیجیے

گا۔۔۔ خدا را!“ وہ منتیں کرنے لگی مگر انہوں نے

اس کو پیچھے جھٹک دیا۔

”لے جاؤ اسے۔۔۔۔۔“ انہوں نے عظمت کو کہا تو اس نے کنیر بانو کو شانوں سے پکڑا تو اب وہ اس کے آگے منتیں سماجت کرنے لگی۔

”چھوٹے سلطان۔۔۔ آپ تو ایسا ظلم مت کیجیے۔۔۔ آپ کہیں گے تو ساری عمر اپنی شکل تک آپ کو نہیں دیکھاؤں گی مگر میرے بچے کو مجھ سے جدا مت کیجیے گا۔۔۔ خدا را چھوٹے سلطان۔۔۔“ وہ اس کے پاؤں سے لپٹی منتیں سماجت کرتی رہی لیکن کسی نے اس کی شنوائی نہیں کی۔

☆.....☆.....☆

خدا نے کنیر بانو کو اپنی رحمت سے نوازا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ جانتی تھی کچھ ہی دیر میں اس کی جان کو اس سے جدا کر دیا جائے گا۔ وہ رورو کر اپنے رب کے حضور دعائیں کرنے لگی۔

”اے خدا! میری بچی کو مجھ سے جدا مت کر۔۔۔ لوگوں نے تو میری شنوائی نہیں کی۔ اب تو ہی سن لے اپنی اس بندی کی۔۔۔“ آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ بچی کے رونے کی آوازیں بھی اس کی سماعت میں گونج رہی تھیں مگر ایک بے بسی تھی جو اسے جکڑے ہوئے تھی۔ ایک حسرت تھی جو اس کے دل کو بے قرار کیے ہوئے تھی۔ اولاد کے پیدا ہونے پر کیسے باپ اس کو اپنی محبت کی بانہوں میں تھام لیتا ہے لیکن اس بیٹی کا مقدر بھی کیسا تھا؟ نہ باپ کی شفقت تھی اور نہ ماں سے قرابت۔ بیٹی کی قسمت پر اس کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔ کچھ دن تک وہ بیٹی اس کے پاس رہی۔ منت سماجت کر کے اس نے بڑے سلطان سے مہلت مانگ لی۔ خدا نے بھی ان کے دل میں رحم ڈال دیا اور عظمت کی شادی کے دن تک اسے

اور اس بچی کو حویلی میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس مہلت پر اس کی آنکھوں سے اشک بہہ نکلے۔ اس مہلت کو اس نے غنیمت جانا اور اپنی بیٹی پر اس نے عمر بھر کالا ڈپیار نچھا کر دیا۔ باپ نے تو ایک بار بھی اسے اٹھا کر نہ دیکھا مگر وہ ایک باپ کی بھی کمی پورا کرنا چاہتی تھی۔ اس کی اپنی بانہوں میں تھا متی تو عظمت کی خوشبو اس کے تن سے پھوٹتی۔ آنکھوں سے بہتے اشکوں میں تیزی آ جاتی مگر پھر وعدہ راہ میں حائل ہو جاتا۔ ایک کنیر کے لئے اس کے مالک کی خوشی ہی تو عزیز ہوتی ہے۔ وہ بھی یہی کر رہی تھی۔ اپنا وعدہ نبھا رہی تھی اور شاید ہمیشہ نبھاتی رہتی لیکن اب وہ ایک ماں بن چکی تھی اور ایک ماں کے لئے اس کی اولاد ہر وعدے سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

”بیٹیاں بھی عجیب قسمت لے کر آتی ہیں۔ معمولی سی لغزشیں عمر بھر کے لئے روگ بن جایا کرتی ہیں۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے غلطی ماں باپ کرتے ہیں اور اس کا انجام ان کی اولادوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔۔۔“ اپنی اماں کے الفاظ کا مطلب اسے آج سمجھ آ رہا تھا۔ بیٹیاں کتنی حساس ہوا کرتی ہیں۔ اسے آج محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے ایک غلط اٹھائے گئے قدم کا نتیجہ کتنا بھیانک تھا، وہ آج دیکھ سکتی تھی۔ اس کے ماں باپ پر کیا بتی تھی۔ وہ سمجھ سکتی تھی۔ اس کی نظر اپنی بیٹی کی طرف گئی تو معصوم سا چہرہ سوالیہ انداز میں اس کو تنک رہا تھا۔

”نہیں بیٹی! میں تیرے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گی۔۔۔ تجھے اس دورا ہے سے نہیں گزرنے دوں گی جس سے میں گزر رہی ہوں۔“ اس نے اپنی بیٹی کو بوسہ دیا اور حویلی کے ہال میں آ موجود ہوئی۔ وہاں عظمت کے نکاح کی تقریب تھی۔ نکاح ہونے میں وقت تھا۔ سب

مہمان سب جمع ہو چکے تھے۔ ی نے اس کی طرف دیکھا تو ایک معمولی کنیر جانا اور گردن جھٹکتے ہوئے منہ موڑ لیا۔ وہ آگے بڑھتی رہی۔ عظمت پر نگاہیں جمی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ عظمت سے اپنے سوالوں کا جواب مانگتی۔ ایک بار پھر اس کے وجود کو پامال کر دیا گیا۔

”کنیر اپنے مالک کے نکاح میں کہیں ناچنے تو نہیں آئی۔۔۔“ یہ آواز اس کے کانوں چیرتی ہوئی جسم میں داخل ہوئی تو ایک جگہ اس کے لئے خالی کر دی گئی۔

مجھے پھر سے کوئی نیا خواب دے

سوال ہوں تجھ پہ تو جواب دے

اپنی کہانی دل میں چھپائی

شکوہ گلہ کوئی لب پہ نہ لائی

قدم خود بخود اپنے سلطان کے آگے محور قص ہونے لگے۔ الفاظ دل سے نکل کر عظمت کے دل کو چیرنے لگے۔ جو آنکھیں پہلے جھکی ہوئی تھیں اب کنیر بانو کی طرف اٹھتی چلی گئیں۔

آنکھوں میں یادوں کی

آنکھوں میں یادوں کی

بارات لے کر

تیری کنیر تیرے در پہ ہے آئی

یہ سنتے ہی بڑے سلطان بھی اپنے جگہ سے کھڑے ہو گئے۔ عظمت تو پہلے ہی کھڑا ہو چکا تھا۔ آنکھوں میں نہ جانے کیا کیا قلمی ریل کی طرح چلنے لگا۔ کنیر بانو کا ہر اٹھنا قدم عظمت سلطان کے دل کو پکلتا چلا گیا۔

زہر میں ڈوبی جدائی سہی ہے

میری زبان تو چپ ہی رہی ہے

آنسوؤں کا پانی یادوں کو دیا ہے

میرے ساتھ کیسی یہ ان کہی ہے

مجھے پھر سے کوئی، نیا خواب دے
سوال ہوں تجھ پہ، تو جواب دے
گیت کے آخر میں وہ ایک دم اس کے پاؤں میں آگری۔ آخری نظر اس کے چہرے پر دوڑائی۔ جیسے اپنا حق مانگ رہی ہو۔ کئی سوال ایک ہی نظر میں کر ڈالے۔ تبھی اپنی ساتھی کنیر کے ہاتھوں میں دی گئی بچی کے رونے کی آواز آئی تو وہ اسے لے کر دوبارہ قدموں میں لے آئی۔ سب کنیر کی اس حرکت میں ششدر تھے۔

”کنیر۔۔۔“ بیگم رخسار نے جھلاتے ہوئے کہا مگر وہ کس سے مس نہ ہوئی۔ قدموں میں بیٹھی بھیگ مانگتی رہی۔ بیٹی کے رونے کی آواز کانوں میں گونجتی رہی۔ شاید ایک سلطان کو پکھلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”گستاخ کنیر۔۔۔“ بڑے سلطان آگے بڑھے اور اس پر ہاتھ اٹھا ہی چاہا تھا کہ عظمت سلطان درمیان میں آ گیا۔

”نہیں بابا سلطان۔۔۔ اب اور نہیں۔۔۔ کنیر کو اتنا بھی ذلیل مت کریں۔۔۔“ اس کے لہجے میں عاجزی تھی۔

”تم جانتے بھی ہو کیا کہہ رہے ہو؟“ عقابی نظروں سے پلٹ کر عظمت سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے بڑے سلطان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کنیر بانو کو سہارا دیتے ہوئے اٹھایا۔ اور اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں پناہ دی۔ سب کے جسم میں جیسے کرنٹ دوڑ گیا۔

”جی بابا سلطان۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں لیکن اب میں مزید کنیر پر ظلم نہیں کر سکتا۔“ اس نے کنیر کے ہاتھوں میں موجود بچی کو اپنے ہاتھوں میں سمیٹا تو جیسے اس بچی کو بھی راحت مل گئی۔ ایک باپ کے سائے میں آ کر اس

کارونا بند ہو گیا۔ پہلی بار اس بچی کو اس نے سونگھا تھا۔ آنکھوں سے خود بخود آنسوؤں کا قطرہ بہہ نکلا۔

”جس بچی کو آپ بن باپ کے سمجھ رہے تھے تو جان لیجیے کہ اس کا باپ اس بچی کو اب اپنی بانہوں میں تھا مے ہوئے ہے۔“ ایک ہی جملے میں اس نے حویلی کی بنیاد کو ہلا ڈالا۔ کنیر نے تشکر بھری نگاہوں سے عظمت سلطان کی طرف دیکھا جو سب کی نظروں کا سامنا کر رہا تھا اور اس پر اور اپنی بیٹی پر سایہ مہربان بنا ہوا تھا۔ بیگم رخسار تو جیسے اس شاک کو برداشت ہی نہ کر سکی اور اسی وقت بے ہوش ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆

”معاف کیجیے چھوٹے سلطان! میری وجہ سے آپ کو مہمانوں کے سامنے شرمندگی محسوس ہوئی۔ میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا نہیں تھا اور نہ ہی اپنے وعدے کو توڑنا۔ میں بس اس بچی کو اس کے باپ تک پہنچانا چاہتی تھی اور بس۔۔۔“ وہ ہاتھ جوڑے اس سے معافی مانگ رہی تھی۔

”نہیں کنیر۔۔۔ تمہیں معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ معافی تو مجھے مانگنی چاہئے۔ میری وجہ سے تمہیں اتنی تکلیف سے گزرنا پڑا۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دو۔۔۔“

”نہیں چھوٹے سلطان۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔۔۔“ عظمت سلطان کے ہاتھوں کو نیچے کرتے ہوئے اس نے کہا تو اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

”اب میری ذات سے کبھی تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔“ عظمت سلطان نے کہا تھا۔

”شکر یہ چھوٹے سلطان۔۔۔“ اس کی

آنکھوں میں تشکر کے آنسو نمودار ہو گئے۔

”اب تم مجھے چھوٹے سلطان چھوٹے سلطان کہنا بند کرو۔۔۔ آج سے تم صرف مجھے سلطان کہو گی کیونکہ آج سے تم میرے لئے کنیر نہیں بلکہ کنیر سلطان ہو۔۔۔“ یہ کہہ کر اس نے کنیر سلطان کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔

”چلیں۔۔۔ اب حویلی سے۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنا سامان اٹھایا اور کمرے سے باہر کی طرف قدم ہی اٹھائے تھے کہ بیگم رخسار آ موجود ہوئی۔

”نہیں چھوٹے سلطان۔۔۔ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔۔۔ اپنی امی کو تم ایسے کیسے چھوڑ کر جا سکتے ہو۔۔۔“ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے جو کہ ایک بیٹے کی جدائی میں بہہ رہے تھے۔

”لیکن امی۔۔۔ بابا سلطان۔۔۔“

”وہ کچھ نہیں کہیں گے۔۔۔ میں بات کروں گی۔۔۔ ان سے۔۔۔ تم بس کہیں نہیں جا رہے۔۔۔ سنا تم نے۔۔۔“ انہوں نے اس کے چہرے پر متا بھرا ہاتھ پھیرا۔

”امی میں اب کنیر کو نہیں چھوڑ سکتا۔۔۔“

”تمہیں کنیر کو چھوڑنے کے لئے اب کوئی فورس بھی نہیں کرے گا۔۔۔“ یہ آواز دروازے کے باہر سے آئی تھی۔ وہاں بڑے سلطان تھے۔

”تم کنیر کو نہیں چھوڑ سکتے۔۔۔ اور ہم تمہیں۔۔۔ میں مانتا ہوں میں نے غصے میں غلط فیصلہ کر لیا تھا لیکن ٹھنڈے دماغ سے سوچنے پر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ ہو سکے تو اپنے بابا سلطان کو معاف کر دو۔۔۔“

”بابا سلطان۔۔۔“ فرط جذبات میں وہ ان سے بغل گیر ہوا تو بیگم رخسار نے بھی کنیر سلطان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

☆